ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے، اور اسکے لئے گائے اور بیل کا وجود ناگزیر، لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس جانور کے اقسام، اسکی پرداخت، اسکی مختلف نسلوں اور اسکی بیماریوں کے علاج سے واقف ہیں جناب مولف صاحب نے شاید انھیں ضرورتوں کو محسوس کرکے یہ رسالہ شایع کیا ہے، اس میں ابتداءً گائے بچھڑے اور بیلوں کا حال لکھا ہے اور دستی تصاویر کے ذریعہ یہی بات سمجھانے کی کوشش کیگئی ہے، چونکہ یہ کتاب کاشتکاروں کیلئے ہے، اسلئے اسکی زبان بھی سادہ اور صاف ہے، امید کہ یہ کتاب مفید و مقبول ہو،

غذا و صحت، مصنفہ ممتاز احمد فاروقی بی، اے ص ۱۲۰ قیمت ۸ر پتہ دار الکتب اسلامیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور،

غریب ہندوستان نہ صرف مالی و دماغی حیثیت سے غریب ہو رہا ہے بلکہ جسمانی حیثیت سے بھی اسکی حالت نازک ہے، اگر ہم یہاں کی شرح اموات کا دوسرے ملکوں سے مقابلہ کریں تو ہمکو معلوم ہوگا کہ ہمارا ملک اس حیثیت سے سب سے زیادہ بد قسمت ہے، اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم حفظان صحت کے اصول سے غافل ہیں اور چونکہ ہمارا جسم اپنی اصلی نشو و نما سے محروم رہتا ہے اسی لئے اسکے تمام دوسرے اجزاء بھی مریض و کمزور ہوتے ہیں، اسی ضرورت کو محسوس کرکے جناب فاروقی نے یہ مختصر لیکن جامع و پر از معلومات رسالہ لکھا ہے، اسمیں انسانی غذا اور حفظان صحت کے اصول کی تشریح و توضیح کی گئی ہے اور یہ اس قابل ہے کہ تمام لوگ اسکو پڑھکر اس سے مستفید ہوں کہ جبتک ہم اپنے جسم کو صحیح نہیں رکھینگے ہم اپنے دماغ کو بھی صحیح و کارآمد نہیں بنا سکتے، ہم مصنف کو اس مفید کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں

اسلام و نیشنلزم، از مولانا ابو الکلام آزاد ص ۳۲ قیمت ۴ر پتہ مہتمم البلاغ بک ایجنسی ۸۵ گوالمنڈی، لاہور،

مولانا ابو الکلام کے ایک پرانے مضمون کی نئی اشاعت ہے، اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام نیشنلزم کا مخالف ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا سب سے بڑا حامی ہے، آج کل جب کہ قومیت و اشتراکیت وغیرہ کے الفاظ و اصطلاحات کا عام رواج ہے، اس رسالہ کا مطالعہ شاید دلچسپ ثابت ہو،

"ن"

جلد بست و چہارم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ء | عدد ۴

مضامین

اعتذار

افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معارف یعنی مولنا سید سلیمان صاحب ندوی ایک ہفتہ سے لکھنؤ میں علیل اور زیر علاج ہیں، اس لئے اس مہینہ کا معارف بغیر شذرات کے شایع کیا جاتا ہے،

"منیجر"

ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے، اور اسکے لئے گائے اور بیل کا وجود ناگریز، لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس جانور کے اقسام، اسکی پرداخت، اسکی مختلف نسلوں اور اسکی بیماریوں کے علاج سے واقف ہیں جناب بابو رام صاحب نے شاید انھیں ضرورتوں کو محسوس کرکے یہ رسالہ شایع کیا ہے، اس میں ابتدا گائے بچھڑے اور بیلوں کا حال لکھا ہے اور دستی تصاویر کے ذریعہ یہی بات سمجھانے کی کوشش کیگئی ہے، چونکہ یہ کتاب کاشتکاروں کیلئے ہے، اسلئے اسکی زبان بھی سادہ اور صاف ہے، امید کہ یہ کتاب مفید و مقبول ہو،

غذا و صحت، مصنفہ ممتاز احمد فاروقی بی، اے ضخامت ۱۲۰ قیمت ۸، مرتبہ دار الکتب اسلامیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور،

غریب ہندوستان نہ صرف مالی و دماغی حیثیت سے غریب ہو رہا ہے بلکہ جسمانی حیثیت سے بھی اسکی حالت نازک ہے، اگر ہم یہاں کی شرح اموات کا دوسرے ملکوں سے مقابلہ کرین تو ہمکو معلوم ہوگا کہ ہمارا ملک اس حیثیت سے سب سے زیادہ بد قسمت ہے، اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم حفظانِ صحت کے اصول سے غافل ہیں اور چونکہ ہمارا جسم اپنی اصلی نشو و نما سے محروم رہتا ہے اسی لئے اسکے تمام دوسرے اجزا بھی مریض و کمزور ہوتے ہیں، اسی ضرورت کو محسوس کرکے جناب فاروقی نے یہ مختصر لیکن جامع و پر از معلومات رسالہ لکھا ہے، اسمیں انسانی غذا اور حفظانِ صحت کے اصول کی تشریح و توضیح کی گئی ہے اور یہ اس قابل ہے کہ تمام لوگ اسکو پڑھکر اس سے مستفید ہوں کہ جبتک ہم اپنے جسم کو صحیح نہیں رکھینگے ہم اپنے دماغ کو بھی صحیح و کارآمد نہیں بنا سکتے، ہم مصنف کو اس مفید کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں،

اسلام و نیشنلزم، از مولانا ابو الکلام آزاد ضخامت ۵۶ قیمت ۴ مرتبہ مہتمم البلاغ بک ایجنسی ۵۸ گوالمنڈی، لاہور،

مولانا ابو الکلام کے ایک پرانے مضمون کی نئی اشاعت ہے، اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام نیشنلزم کا مخالف ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا سب سے بڑا حامی ہے، آج کل جب کہ قومیت و اشتراکیت وغیرہ کے الفاظ و اصطلاحات کا عام رواج ہے، اس رسالہ کا مطالعہ شاید دلچسپ ثابت ہو،

"ن"

جلد بست و چہارم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ء | عدد ۴

مضامین

اعتذار

افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معارف یعنی مولنا سید سلیمان صاحب ندوی ایک ہفتہ سے لکھنؤ میں علیل اور زیر علاج ہیں، اس لئے اس مہینہ کا معارف بغیر شذرات کے شایع کیا جاتا ہے،
"منیجر"

مقالات

ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ کے چند گم شدہ اوراق

معارف میں "ہندوستان میں علم حدیث" کے عنوان سے مضامین کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، الحمدللہ کہ اس سے توقع سے زیادہ لوگوں نے دلچسپی لی، علماء اور تعلیم یافتہ دونوں جماعتوں نے اُس کو پسند کیا، اور اس کی تکمیل و تصحیح میں حصہ لیا، بیرون ہندوستان تک سے اُسکی مزید تکمیل کی فرمائش جاری ہے،

چونکہ یہ ایک ایسا مضمون تھا جس کے معلومات اب تک کہیں یکجا نہ تھے، اور نہ کسی مصنف و مورخ نے اس کی طرف توجہ کی تھی، مجھے خود اس کی وسعت کا اتنا علم نہ تھا، مگر جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا، راستہ اور کشادہ اور فراخ معلوم ہوتا گیا، تاہم چونکہ راستہ دیکھا نہ تھا، اور نہ کسی اگلے رہرو کے نقشِ قدم کے وہاں نشان تھے اس لئے اِدھر اُدھر بھٹکنا ناگزیر تھا، سلسلۂ مضمون میں قدم قدم پر تحقیق کی لغزشیں تھیں، مگر خوشی کی بات ہے کہ چند اور اہلِ ذوق بھی ہمسفر مل گئے اور اُن کی ٹوک ٹاک سے غلط روی کی اصلاح ہوتی گئی،

ہندوستان میں علم حدیث کی ابتدائی تاریخ کے سراغ لگانے میں جو کوششیں آغازِ مضمون میں کی گئی تھیں مزید تلاش سے اس کے چند نئے اوراق بھی ہاتھ آئے،

ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس سلسلہ میں یہ خصوصیت کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ اہل عرب کو علم

حدیث اور اس کی اشاعت کے ساتھ خاص شغف رہا ہے، اس لئے جہاں اُن کے فتوحات کا قدم پہونچا، وہیں قرآن پاک کے بعد علم حدیث کی درس گاہ بھی قائم ہو گئی، ہندوستان کا سب سے پہلا حصہ جو عرب فتوحات کے دائرہ میں داخل ہوا وہ سندھ تھا جس کا ۹۶ھ سے تقریباً ۲۵۰ھ تک براہِ راست دمشق و بغداد کی خلافت سے تعلق قائم رہا، اور پھر وہاں کے دو شہروں منصورہ اور دیبل میں مقامی اسلامی ریاستیں قائم ہوئیں، منصورہ کی اسلامی ریاست محمود غزنوی کے حملۂ سندھ تک (۴۱۶ھ تک) قائم رہی، اور اس کے بعد دیبل کی اسلامی ریاست ۷۵۲ھ یعنی فیروز شاہ خلجی کے زمانہ تک باقی رہی، گو اس کے بعد بھی وہ ۸۳۳ھ تک قائم رہی مگر خود مختار نہ رہی، بہرحال اس سے اندازہ ہوگا کہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے اُس وقت تک جب تک درۂ خیبر سے آنیوالی قوموں نے اُنکو بے دخل کیا، وہ اس سرزمین میں اہلِ عرب اسلام اور اسلامی علوم کے حامی و محافظ رہے،

قاضی ابوسعید عبدالکریم سمعانی ۵۰۶ھ میں مرو (ترکستان) میں پیدا ہوئے، اور وہیں ۵۶۲ھ میں وفات پائی، علم حدیث کی طلب میں تمام دنیائے اسلام کی خاک چھانی، اور ہر جگہ جا کر چار ہزار استادوں سے اس فن کو حاصل کیا، ماوراء النہر اور خراسان سے بارہا گذرے اور ان کے علاوہ عراق، شام اور حجاز کا چکر لگایا، اور ہر گوشہ سے فیوض و برکات کا سرچشمہ جمع کیا، انکی مشہور کتاب الانساب ہے جو ۱۹۱۲ء میں گب میموریل سیریز کے سلسلہ میں عکسی چھاپی گئی ہے، اس کتاب میں شہروں، قبیلوں اور پیشوں کی نسبتوں سے جو لوگ مشہور ہوئے ہیں اُن کے حالات ہیں، اس ضمن میں چھٹی صدی ہجری تک کے اکثر شہروں کے باکمالوں کے تذکرے ہیں، منجملہ اون کے ہندوستان بھی ہے،

ہندوستان کے شہروں میں سے سندھ، منصورہ، دیبل، اور لاہور کے نام اس میں ملتے ہیں، دہلی کا نام اس لئے نظر نہیں آتا کہ اس زمانہ تک (۵۶۲ھ) دہلی اسلام کے دائرۂ حکومت میں نہیں آئی تھی،

سندھی | اس نسبت سے جن دو ابتدائی بزرگوں کے نام اس میں لکھے ہیں یعنی ابومعشر نجیح المتوفی ۱۷۰ھ اور رجاء سندھی المتوفی ۲۲۱ھ کے نام پہلے گذر چکے ہیں، البتہ رجاء سندھی کی اولاد کا ذکر رہ گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان میں مدت تک علم حدیث رہا، ابو عبداللہ محمد بن رجاء، اور ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء مشہور گذرے ہیں، ابو عبداللہ نضر بن شمیل، مکی بن ابراہیم بن عیسیٰ

دیبلی، اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے اور ابوبکر ابراہیم بن محمد بن محمد شافعی، اسحاق بن راہویہ کے شاگرد تھے، بغداد اور مکہ میں درس دیتے تھے،

(۲) ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی، فقیہ، متکلم اور محدث تھے، حسن بن سفیان وغیرہ کے حلقوں میں بیٹھے تھے، بعد ازاں قزوین میں قاضی رہے،

(۳) احمد بن سندھی بن فروخ بغداد جاکر رہے، ابراہیم دورقی سے روایت کی،

(۴) احمد بن سندھی بن حسن، بھی بغداد ہی میں سکونت پذیر تھے، ثقہ صدوق اور فاضل تھے،

۳۷۵ھ یعنی سلطان محمود کی فتوحات سے پچیس برس پہلے یہاں بیت المقدس کا عرب سیاح عالم ابوالقاسم مقدسی آیا تھا، آپ تعجب سے سنیں گے کہ وہ سندھ کے اسلامی فرقوں کے ذکر میں کہتا ہے کہ

واکثرهم اصحاب حدیث

اور ان میں زیادہ تر اہل حدیث ہیں،

پھر کہتا ہے کہ یہاں کے بڑے شہر (قصبات) حنفی فقہاء سے خالی نہیں ہیں، لیکن کوئی مالکی یا حنبلی نہیں،

منصوری، یہ منصورہ کی طرف نسبت ہے، عربوں کے زمانہ میں دوسری صدی ہجری کے شروع میں آباد ہوا، اہلِ ہند اسکو بھکر کہتے ہیں، اور اسی نام سے ہندوستان کی تاریخوں میں اسکی شہرت ہے، ۴۱۶ھ تک عرب ریاست تھی، اس کے بعد سلطان محمود نے اسکو فتح کر لیا، عربوں کے زمانہ میں یہاں علم حدیث کا خاصہ چرچا تھا،

اہل حدیث میں ایک فرقہ ظاہریہ کہلاتا ہے، اس کے بانی امام داؤد بن علی اصفہانی المتوفی ۲۷۰ھ ہیں، یہ ہر قسم کے قیاس کے منکر تھے، اور آیات و احادیث سے صرف ظاہری معنی پر اکتفا کرتے تھے، اسی لئے ظاہری کہلائے، داؤد ظاہری کے انتقال کے سو برس بعد ابوالقاسم مقدسی سندھ آیا تھا، وہ کہتا ہے کہ یہاں داؤدی مذہب کے محدثین موجود ہیں، منجملہ ان کے وہ منصورہ کے قاضی ابو محمد کا ذکر کرتا ہے، جن سے وہ ملا تھا، وہ داؤدی تھے، اور اپنے مذہب کے امام تھے، ان کا درس قائم تھا، اور انکی چند عمدہ تصنیفات تھیں، اس لحاظ سے قاضی صاحب کا زمانہ چوتھی صدی کا آخر ہوگا،

منصورہ میں ایک دوسرے محدث قاضی ابوالعباس احمد بن محمد منصوری کا ذکر سمعانی نے کیا ہے، یہ بھی داؤدی مذہب کے امام تھے،

لہ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۴۸۱ لیڈن،

عراق اور فارس میں بہت سے مشہور محدث اثرم کے درس میں بیٹھے تھے، اور ابو عبداللہ حاکم المتوفی ۴۰۵ھ ان کے شاگرد تھے، اس حساب سے یہ چوتھی صدی کے آخر کے ہوں گے،

ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ منصوری، حسن بن مکرم سے انھوں نے، اور اُن سے حاکم نے روایتیں کی ہیں، ان کا زمانہ بھی چوتھی صدی کا آخر سمجھنا چاہئے،

قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری کا ذکر بھی سمعانی نے کیا ہے، یہ عراق جاکر رہے تھے، انھوں نے فارس میں ابوالعباس بن اثرم سے اور بصرہ میں ابو روق ہزانی سے حدیثیں سنی تھیں، حافظ سمعانی کہتے ہیں کہ شیخ فارس میں ان سے زیادہ لطیف مزاج کسی کو نہیں دیکھا، تو گویا یہ سمعانی کے ہمعصر تھے، یعنی چھٹی صدی ہجری کے بیچ میں تھے،

دیبل، یہ سندھ کا مشہور بندرگاہ تھا، یہاں سے عراق کو جہازات آیا جایا کرتے تھے، اسی شہر کا نام بعد کو ٹھٹھہ مشہور ہوا، یہاں بھی جیسا کہ پہلے گذرا، ایک اسلامی ریاست قائم تھی، یہاں بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے، جن میں سے سمعانی نے ان چند لوگوں کے نام لئے ہیں،

(۱) ابوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی، یہ مکہ معظمہ جاکر رہے تھے، یہ امام ابن عیینہ کی کتاب التفسیر کے ابو عبیداللہ سعید بن عبدالرحمان مخزومی کے واسطہ سے، اور امام عبداللہ بن مبارک کی کتاب البر والصلہ کے ابو عبداللہ حسین بن حسن مروزی کے واسطہ سے راوی ہیں، اور عبدالحمید بن صبیح سے بھی روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن فراس مکی اور ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی مقری روایت کرتے ہیں،

(۲) ابراہیم بن محمد ابراہیم دیبلی، یہ ابوجعفر محمد دیبلی کے جنکا نام اوپر گذرا بیٹے تھے، یہ موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ سے روایت کیا کرتے ہیں،

(۳) ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی، ابو قطعان دیبلی کے نام سے انکو شہرت ہے، یہ مصر گئے تھے، اور وہیں حدیث کا حلقہ درس قائم کیا تھا، ابو سعید بن یونس انکے شاگرد تھے،

(۴) علی بن موسیٰ دیبلی محدث تھے،

(۵) خلف بن محمد دیبلی، یہ علی بن موسیٰ دیبلی کے شاگرد تھے، بغداد جاکر رہے، اور بہت سے شاگرد پیدا کئے،

(۶) ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے، محمد بن ابراہیم دیبلی کے شاگرد تھے، اس کے علاوہ نیشاپور میں محمد بن اسحاق

ابن خزیمہ سے ، بصرہ میں قاضی ابوخلیفہ سے ، بغداد میں جعفر بن محمد فریابی سے ، ابوبکر میں فضل بن محمد جندی اور محمد بن ابراہیم دیبلی سے ، اور مصر میں علی بن عبد الرحمن اور دمشق میں ابوالحسن احمد بن عمیر سے ، اور بیروت میں ابوعبد الرحمن مکحول سے ، اور نجران میں ابوعروبہ حسین بن ابی معشر سے ، اور تستر میں احمد بن زہیر تستری سے ، اور عسکر مکرم میں عبدان بن احمد سے ، اور نیشاپور میں ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے حدیثیں سنیں ، غور کرو کہ کبھی ہندوستانی محدث کو یہ ذوق و شوق تھا کہ طلب علم کی راہ میں نیشاپور، تستر، عسکر مکرم، بصرہ، بغداد، دمشق، بیروت، اور مکہ معظمہ کی خاک چھانتے پھرتے تھے ،

یہ ابوالعباس احمد دیبلی اس شان کے بزرگ تھے کہ امام حاکم نے ان کے آگے زانوئے ادب تہ کیا ، سمعانی نے حاکم سے انکی وفات کا سال ۳۴۳ھ نقل کیا ہے ، اور ان دوسرے بزرگوں کے سنین بھی معلوم ہوتے ہیں ، محمد بن ابراہیم دیبلی ان کے استاد تھے اس لئے ان کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا اوائل ہوگا ، اور ابراہیم بن محمد دیبلی چونکہ ان کے بیٹے تھے اس لئے یہ چوتھی صدی ہجری کے ربع میں ہونگے ، بقیہ بزرگوں کا عہد بھی چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے ،

لاہوری لاہور کو سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۴ھ میں فتح کیا ، سمعانی کہتے ہیں کہ ہندوستان کے شہروں میں یک بابرکت (کثیرۃ الخیر) شہر ہے ، لاہور کو لہاور اور لاہور کہتے ہیں یہاں بہت سے علماء پیدا ہوئے ، یہ شہادت ایک ایسے شخص کی ہے جو ۵۶۲ھ میں وفات پا چکا تھا ، یعنی یہ زمانہ ہے جب غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو رہا تھا ، اور غوریوں کی حکومت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا ،

سمعانی نے علمائے لاہور میں سے حسب ذیل لوگوں کے نام لئے ہیں ،

۱۔ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری ادیب شاعر ہونے کے ساتھ محدث تھے ، بہت سی حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں ، حافظ ابوبکر خطیب بن الیاس بن سعید سعیدی کے شاگرد تھے ، اور بغداد اور سمرقند کا فیض عام تھا ، امام سمعانی نے لکھا ہے کہ میں خود ان سے نہیں ملا ، مگر حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطہ سے ان کا شاگرد ہوں ، ۵۲۹ھ میں لاہور میں وفات پائی ،

۲۔ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن الاشعثی لاہوری یہ شیخ ابوالحسن علی لاہوری کے شاگرد تھے ، سمرقند میں درس دیتے تھے ، وہیں امام سمعانی نے ان سے شیخ ابوالحسن علی کی روایتیں سنیں اس لئے ان کا زمانہ چھٹی صدی کا آغاز سمجھنا چاہئے ،

۳۔ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری فقیہ مناظر و محدث تھے ، امام ابوسعید عبدالکریم سمعانی (صاحب کتاب الانساب) کے دادا امام ابوالمظفر سمعانی کے شاگرد تھے ، اور امام ابوسعید سمعانی نے ان سے اسفرائن میں کچھ روایتیں سنی تھیں ، وہیں انھوں نے سکونت اختیار کرلی تھی ، سنہ [illegible]ھ کے قریب وفات پائی ،

ہندی یعنی کسی خاص شہر کی نسبت کے بغیر نفس ہندوستان کی نسبت سے چھٹی صدی ہجری کے وسط تک بہت سے اہل علم پیدا ہوئے ، سمعانی کہتے ہیں ، منسوب الی بلاد الهند و فیهم کثرة وشهرة ، ان میں سے صرف دو صاحبوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام ایک ہیں صرف کنیتیں دو ہیں ، اور یہ دونوں ہندی غلام بنکر امام بنے تھے ، دونوں عبدالکریم سمعانی کے استاد اور شیخ تھے ،

۱۔ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ المحدث اور صوفی تھے ، قاضی محمد بن اسمٰعیل یعقوبی (باشندہ بوشنگ) کے آزاد کردہ غلام تھے ، اپنے آقا کے ساتھ عراق ، حجاز ، اہواز ، بغداد ، بصرہ ، اصبہان ، کوہستان ، اور خوزستان کا سفر کیا تھا ، اور ان میں سے ہر جگہ کے محدثین سے فیض پایا تھا ، سمعانی نے بوشنج اور ہراۃ میں ان سے حدیث پڑھی ، ۵۳۲ھ میں وفات پائی ،

۲۔ ابومحمد بختیار بن عبداللہ یہ سمعانی کے والد ابوبکر محمد سمعانی کے آزاد کردہ ہندی غلام تھے ، اپنے آقا کے ساتھ عراق و حجاز کا سفر کیا تھا ، اور خود اپنے آقا سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں ، ان کے علاوہ بغداد میں بڑے بڑے محدثین سے علم کا فیض پایا تھا ، مرو میں سکونت اختیار کرلی تھی ، اور یہیں صفر ۵۴۱ھ میں وفات پائی ،

اللہ اکبر! ایک زمانہ تھا کہ جہاز اور ریل کے بغیر ہندوستان سے ترکستان ، ایران ، خراسان ، عراق ، حجاز ، شام اور مصر تک کی خاک علم کی تلاش و جستجو میں چھانتے پھرتے تھے ، پھر نو مسلم غلاموں کی قسمت پر آج کے خاندانی مسلمان آقا رشک کریں کہ اسلام کے غلام بنکر وہ کیا رتبہ پاتے تھے ،

ذیل میں ہمارے ایک محترم کا ایک اور مضمون ہے ، جسمیں اسی قسم کے تین اور بزرگوں کے نام ہیں ، جنکا ذکر ہمارے مضمون میں نہیں آیا ہے ،

تیموری عہد سے پہلے ہندوستان
میں
علم حدیث کا رواج

(از مولوی محمد اعجاز حسن خاں صاحب، رئیس مظفر پور)

ناظرین معارف کو یاد ہوگا کہ سال گذشتہ کے معارف کے پرچوں میں اس بات کی بحث چھڑ گئی تھی کہ عہد تیموری کے پہلے روایت [illegible] کے درس و تدریس کا رواج تھا یا نہیں، خاکسار راقم کے نزدیک جب سے اسلام کی روشنی ہندوستان میں پہنچی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی رواج ہوا، میرے خیالات ان وجوہ پر مبنی تھے،

اگلے زمانہ کے اکابر امت و بزرگان ملت نے ہندوستان میں تہذیب و شائستگی از روے شرع اسلام پھیلانے میں بڑی کوشش کی تھی سیکڑوں علما و صلحا نے محض اعلاے کلمۃ اللہ کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا، اور یہیں کی خاک کے پیوند ہوگئے، ان [illegible] علم مسلمانوں میں فطری تھا، سماع حدیث کیلئے کسی بزرگ کی زیارت کے لئے درویشوں و عالموں کی صحبت سے فیض حاصل کرنے [illegible] سیکڑوں بلکہ ہزاروں کوس کا سفر کرتے اس وقت ریل نہ تھی، نہ رستہ میں اتنا امن و امان تھا، نہ اتنا جلد رستہ طے ہوتا تھا مگر دین [illegible] خشکی و تری کی راہ سے ہندوستان میں آتے تھے، ابن بطوطہ مغربی نے دہلی میں اندلس کے لوگوں سے ملاقات کی، اور اندلس میں ہندوستان کے لوگوں کو دیکھا، اپنے سفرنامہ میں ان بزرگوں کا نام بھی لکھا ہے، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ کی کتاب عوارف ان کے وقت میں اُن کے معاصرین بزرگوں کے درس و مطالعہ میں رہنے لگی، شیخ سعدی شیرازی کی غزلیں ان کی زندگی [illegible] ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ گئی تھیں، اگر کوئی استقصا کرے تو ہزاروں مثالیں اس قسم کی کتابوں سے جمع کر سکتا ہے،

ایسی حالت میں کہ اکثر اکابر ملت جنکا مطمح نظر صرف اعلاے کلمۃ اللہ و ترویج علم و شریعت تھا، اور جان کو خطرہ میں ڈالکر اپنا مقصود [illegible] کرتے رہے اور کامیاب ہے، ہرگز یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ احادیث رسول صلعم کے ساتھ وہ بے اعتنائی کرتے جو سرچشمہ ہدایت و سعادت ہے، مگر [illegible] کے لئے دلیل کی بھی ضرورت تھی صرف قیاس و حسن ظن سے کام نہیں چل سکتا تھا، دلیل بھی جس میں کسی کو شک و شبہ نہ ہو، اس لئے اگلے بزرگوں کی تصنیفات [illegible]

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ کتب قدیمہ کو اول تلاش کرنا، پھر ان کا صفحہ صفحہ دیکھنا کس قدر مشکل کام ہے، یہ کام میرے بس کا تو تھا نہیں مگر خوش قسمتی سے دو کتابوں میں صاف و واضح طور پر اس کا ثبوت مل گیا، ان دونوں کتابوں میں احادیث صحاح کا تذکرہ ہے، یہ دونوں کتابیں میرے پاس موجود ہیں،

پہلی کتاب تو طبقات ناصری ہے جو قاضی منہاج الدین ابن سراج کی تالیف ہے، یہ حضرت سعدی کے معاصر تھے، فتنہ چنگیز ان کے سامنے گذرا تھا، یہ ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے، انھوں نے کتاب مذکور میں صحیح سنن ابوداؤد کا حوالہ دیا ہے[1] (طبقات ناصری ص ۴۲۶) دوسری کتاب مناقب الاصفیاء ہے، یہ حضرت مولانا محمد شعیب ابن عم حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحیی منیری علیہما الرحمہ کی تالیف ہے، مشہور اور بڑے پایہ کی کتاب ہے، اس کتاب میں جہاں پر حضرت شاہ مظفر شمس بلخی خلیفہ حضرت مخدوم الملک کا حال لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں:-

"نقل است کہ صحیح مسلم نسخہ مصحح در غایت تصحیح بود در کاغذ افرنشمی بخط عرب نوشتہ بود شیخ الاسلام شیخ معز بلخی[2] از قرات صحیح مسلم ہمدر ان نسخہ بود و آں نسخہ شیخ حسین (را) عطا کردہ و گاہ برائے مطالعہ از شیخ حسین می طلبید روزے نسخہ مذکور پیش او بود سائلے آمد و چیزے طلبید در گرد خود چیزے نداشت کہ بدہد، ہماں نسخہ بسائل مذکور داد، شیخ حسین شنید رفت عرض کرد کہ شما ایں نسخہ مرا عطا کردہ بودید گفت چوں من دادم تو ہم بدہ بعدہ شیخ بہ سی صد تنکہ از آں سائل خرید کرد" (مناقب الاصفیا صفحہ ۱۵۰)

---

[1] معارف:- تاتاریوں کے ہاتھ سے اسلامی ملکوں کی بربادی کی پیشینگوئیوں کو احادیث سے جمع کیا ہے، اور اس سلسلہ میں سنن ابی داؤد کا حوالہ دیا ہے، یہ قاضی منہاج الدین جوزجان کے رہنے والے تھے سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہندوستان آکر قاضی القضاۃ مقرر ہوئے (مقدمہ طبقات ناصری) واعظ پر تاثیر تھے، دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء ان کے وعظوں میں شریک رہتے تھے (اخبار الاخیار [illegible]) [illegible] میں ان کی تاریخ طبقات ناصری تمام ہوئی ہے، (خاتمہ طبقات ناصری) ایشیاٹک سوسائٹی نے [illegible] میں اسکو چھاپا ہے،

[2] معارف:- یہ شیخ معز بلخی، شیخ مظفر بلخی کے بھائی، اور شیخ حسین کے والد بزرگوار تھے،

یہ کتاب آٹھویں صدی کی تصنیف ہے، اس کی عبارت سے صرف صحیح مسلم کا زیر مطالعہ رہنا ہی نہیں معلوم ہوتا ہے، بلکہ درس میں رائج ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے؛

اب میں ایک ہندوستانی بزرگ کا شام میں جاکر استفادۂ حدیث کرنا، فہرست عربی کتب خانۂ مشرقیہ بانکی پور جلد پنجم[1] مطبوعہ سنہ ۱۹۲۵ء سے جو خوش قسمتی سے میرے کتبخانہ میں موجود ہے لکھتا ہوں، اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ یہ بزرگ خاص صوبۂ بہار کے رہنے والے اور حضرت مخدوم الملک علیہ الرحمہ کے معاصر ہیں، اور لطف یہ کہ ہمنام بھی ہیں، یعنی

ثم قرأته علی الشیخ الامام[2]. . . صلاح الدین ابی عبد اللہ محمد بن الشیخ تقی الدین احمد بن الشیخ ابراهیم بن عبد اللہ المقدسی . . . . فسمعه ابنی محمد والشیخ الامام سعد الدین سعد اللہ بن بهاء الدین عمر بن سعد الاسفرائینی والشیخ الصالح شرف الدین احمد بن یعقوب بن اسحق بن خواجه الکرازی البهاری الهندی الحنفی وصح ذلک و ثبت فی یوم السبت خامس شهر ذی قعدة المحرم سنة ثلاث وستین وسبعمائة بالجبل الرو[?] القلانسی بالصالحیة واجاز لنا ما یجوز له روایته

ناظرین معارف میں سے کوئی صاحب ان بزرگ کا حال کسی شجرۂ نسبی یا کسی اور ذریعہ سے معلوم کر سکیں، یا کم از کم لفظ "کراز" کی تحقیق کریں کہ اس نام کا کوئی گاؤں بہار کے علاقہ میں ہے، یا کسی وقت یہ نام کسی جگہ کا تھا، تو باعث شکر گذاری ہوگا،

---

[1] معارف :- فہرست جلد پنجم حدیث جلد ۲ صفحہ ۲۰۰، نمبر ۲۷۲۴، یہ کتبخانۂ مذکور کا ایک عجیب وغریب رسالہ ہے جو کم از کم پندرہ سو اجازوں اور سندوں کا قیمتی مجموعہ ہے، یہ آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں لکھا گیا ہے، اور اکثر اصل خطوط سے لکھے ہیں، محدثہ خواتین اسلام کے اسناد بھی اس میں ہیں۔

[2] اصل کیٹلاگ (یعنی فہرست) میں اسی طرح نقطے دیئے چھوڑے ہیں،

پٹنہ، رامپور اور لکھنؤ کے مشرقی کتبخانوں کی علمی سیر اور اسکی روداد،

از

مولانا سید ہاشم صاحب ندوی، رکن دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن نے اپنے یہاں کی بعض زیر طبع کتابوں کے بعض ناقص اجزاء یا دوسرے صحیح نسخوں کی تلاش کیلئے اپنی طرف سے مولوی سید ہاشم صاحب ندوی کو پچھلے دنوں نامزد کیا تھا، مولوی صاحب نے سفر کی واپسی کے بعد ایک مفصل روداد دائرہ کے ارکان کے سامنے پیش کی، دائرہ کے شعبۂ علمیہ کے ارکان نے اسکو بہت پسند کیا، اسی روداد کا خلاصہ دائرہ کے معتمد نواب مہدی یار جنگ بہادر (خلف الصدق نواب عماد الملک مرحوم) نے اپنے ایک مکرمت نامہ کے ساتھ معارف میں چھپنے کیلئے بھیجا ہے، جس کو ہم شکریہ کے ساتھ شایع کرتے ہیں، اور مولوی سید ہاشم صاحب ندوی کو ان کی اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں؛

نواب صاحب ممدوح لکھتے ہیں، "مولوی سید ہاشم صاحب ندوی حال میں دائرۃ المعارف کی جانب سے شمالی ہند مثلاً لکھنؤ، رام پور، اور پٹنہ وغیرہ بھیجے گئے تھے، تاکہ وہاں کے کتبخانوں میں کتب نادرہ کا پتہ لگائیں، اور ایسی کتابوں کا نام پیش کریں، جنکی تصحیح اور طباعت دائرۃ المعارف اپنے ذمہ لے سکے، انھوں نے اس سفر کے بعد اپنی رپورٹ جو مرتب کی اور جس میں بعض عمدہ کتابوں کا ذکر کیا، وہ علمی نقطۂ نظر سے بہت بیش قیمت ہے، چنانچہ دائرہ موصوف کے شعبۂ علمیہ

نے اس کو بہت پسند کیا، اور اس کے مرتب کنندہ کا شکریہ ادا کیا، اب اس رپورٹ کا خلاصہ آپکے پاس اس رقعہ کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے، غالباً اسکو آپ بھی پسند کرینگے، اور اندازہ کرسکینگے کہ مولوی سید ہاشم صاحب نے کیسی خدمت کی ہے، بہرحال (بشرطیکہ کوئی امر مانع نہ ہو) آپ اسکو اپنے رسالہ "معارف" میں طبع کردیں تو میں ممنون ہونگا، کیونکہ یہ اہل علم کی دلچسپی کا باعث ہوگا، اور کتب قدیمہ کے متعلق اکثر اشخاص کی معلومات میں اضافہ ہوگا"

"معارف"

امام بیہقیؒ کی سنن کبری، علامہ ابونعیم اصفہانیؒ کی حلیۃ الاولیاء اور حافظ ابن حجر العسقلانی کی درکامنہ کے قلمی نسخوں کے دیکھنے کیلئے خاکسار کو پٹنہ، رام پور اور لکھنؤ کے کتب خانوں میں جانے کی اجازت مجلس دائرۃ المعارف کی طرف سے دی گئی تھی، اثنائے سفر میں مندرجہ ذیل کتبخانوں میں حاضری کا اور وہاں کی نادر کتابوں کے مطالعہ کا موقع نصیب ہوا،

(۱) پٹنہ لائبریری (۲) کتبخانہ ریاست رام پور، (۳) کتبخانہ ندوۃ العلما لکھنؤ (۴) کتبخانہ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ، (۵) کتب خانہ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی مرحوم (۶) کتبخانہ مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ (۷) کتب خانہ علویہ، راجہ صاحب سلیم پور اسٹیٹ، لکھنؤ،

ان کتبخانوں میں جو قابل ذکر قلمی نسخے نظر سے گذرے ہیں، ان کے متعلق مختصر کیفیت پیش ہے، تاکہ آئندہ بطور یادداشت محفوظ رہے، سہولت کے خیال سے اس فہرست کو علوم کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، ان میں سے جن کتابوں کے نادر نسخے ہندوستان یا دوسرے ممالک کے کتبخانوں میں موجود ہیں مزید تفصیل کے لئے حاشیہ پر انکی فہرستوں سے بھی حوالہ دیدیا گیا ہے،

علوم القرآن

(۱) الکشف والبیان[1] یہ امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ کی تفسیر میں مشہور کتاب ہے،

[1] اس کے تین نسخوں کا ادر پتہ چلا ہے، ایک کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے، جو ابتدائے کتاب سے آخر

اس کے تین نادر نسخے نظر سے گذرے، ایک سورۂ مومن سے آخر قرآن تک ہے، جو مولانا ناصر حسین صاحب کے کتبخانے میں محفوظ حالت میں ہے، دوسرا سورۂ مریم سے آخر قرآن تک ہے، جو مولانا عبدالباری صاحب مرحوم و مغفور کے کتبخانے میں موجود ہے، تیسرا آخر سورۂ بقرہ سے آخر سورہ مائدہ تک ہے، جو کتبخانہ ریاست رامپور میں ہے، یہ تینوں نسخے قدیم الخط ہیں اور استفادہ کے قابل ہیں،

(۲) تفسیر ابی اللیث الفقیہ[1]، امام ابواللیث نصر بن محمد الفقیہ الحنفی السمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ کی تصنیف ہے، اس کا ثلث ثانی بخط عرب کتبخانہ رام پور میں موجود ہے، جو سورۂ مومن سے سورۂ سجدہ تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، کشف الظنون میں اس کے متعلق یہ عبارت ہے، "وھی کتاب مشھور لطیف مفید" اس کے احادیث کی تخریج علامہ قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ نے کی ہے،

(۳) کتاب النکت والعیون[2] یہ قاضی القضاۃ ابوالحسن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ کی فن تفسیر میں مشہور کتاب ہے، اس کا ایک نادر نسخہ ۶۰۳ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ رامپور میں نظر سے گذرا، جو ابتدائے قرآن سے آخر سورہ مائدہ کی تفسیر پر مشتمل ہے، جس قدر یہ حصہ ہے بہت محفوظ حالت میں ہے، مصنف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴) سورہ عمران تک ہے، یہ نسخہ قدیم الخط ہے، اور بہت صاف لکھا ہوا ہے، اول کے چند صفحات آب دیدہ ہیں جو مشکل سے پڑھے جاسکتے ہیں، ابتدا میں تفسیر پر ایک مختصر مقدمہ ہے،

دوسرا کتبخانہ خدیویہ مصر میں ہے، یہ ۲۰۰ صفحہ کا ایک جزو ہے، جو سورۂ بقرہ کی آیت "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" سے شروع ہو کر اسی سورہ کی آیت "وما انفقتم من نفقۃ الخ" کی تفسیر پر ختم ہوا ہے، (فہرست کتبخانہ خدیویہ)

تیسرا نسخہ کتبخانہ محمودیہ میں ہے جو نو جلدوں میں ہے، (رسالہ معارف اعظم گڈھ دسمبر ۱۹۲۶ء)

[1] اس کتاب کا کامل نسخہ کتبخانہ خدیویہ مصر میں ہے، جس کی ابتدا، باب بحث علی طلب تفسیر القرآن سے ہوئی ہے، اس کتاب کی تین جلدیں ہیں، اس کے علاوہ اور بھی ناقص اجزاء یہاں موجود ہیں، جن میں سے بعض ۹۲۰ھ کے مکتوبہ ہیں،

کی مشہور کتابوں میں احکام السلطانیہ ہے جو طبع ہوگئی ہے، جس سے انکی وسعت معلومات کا پتہ چلتا ہے،

(۴) اسرار التنزیل و انوار التاویل[1]، امام فخرالدین رازی، المتوفی ۶۰۶ھ کی توحید و عقاید وغیرہ میں ایک خاص کتاب ہے، یہ مسایل آیات قرآن سے مستنبط ہیں اور ان پر مصنف نے اپنے خاص اسلوب بیان سے بحث کی ہے، آخر باب ناتمام رہگیا ہے، کیونکہ اثنائے تصنیف ہی میں مصنف کی وفات واقع ہوئی ہے، اس کا ایک کامل نسخہ پٹنہ لائبریری میں نظر سے گذرا، یہ ۱۱۳۲ھ کا لکھا ہوا ہے، حاشیہ پر علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر المتوفی ۱۱۸۲ھ کے ہاتھ کی عبارتیں لکھی ہوئی ہیں، جو غالبًا کسی دوسرے نسخہ سے یا اصل سے مقابلہ کے وقت اضافہ کی گئی ہیں، ابتدا کی عبارت یہ ہے،

"قال المصنف رتبناه علی اربعة اقسام القسم الاول ما يتعلق بعلم الاصول والثانی ما يتعلق بعلم الفروع والثالث ما يتعلق بعلم الاخلاق والرابع ما يتعلق بالمناجات والدعوات"

مضامین کے اعتبار سے بہت مفید کتاب ہے،

(۵) شرح التاویلات للماتریدی[2]، اس کا ایک کامل نسخہ پٹنہ لائبریری میں موجود ہے، جو قدیم الخط

---

[1] اس کا ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں شیخ الاسلام کے کتبخانہ میں ہے اور کتبخانہ خدیویہ مصر میں بھی ایک نادر نسخہ ہے، جو ۶۰۰ھ کا لکھا ہوا ہے، [2] پٹنہ لائبریری کی فہرست مفتاح الکنوز الخفیہ میں اس کتاب کا نام شرح التاویلات للماتریدی لکھا ہے لیکن کتاب پر غور کرنے سے اس کا شرح ہونا مسلم نہ ہوسکا، غالبًا یہ تاویلات ماتریدی ہے، جس کو محمد بن احمد السمرقندی نے جمع کیا ہے، کشف الظنون میں التاویلات الماتریدی کے ذیل میں یہ عبارت درج ہے، (وهی ما اخذ منه اصحابه المبرزون تلامذه بعد ما كان املی تاويلا من كتبه جمعه الشيخ علاء الدين محمد بن ابی احمد السمرقندی صاحب تحفة الفقهاء) اس کتاب کا ایک اور قلمی نسخہ مدینہ طیبہ کے کتبخانہ شیخ الاسلام عارف حکمت بے میں موجود ہے جس کو بعض علمائے ہند نے اپنی نظر سے حال میں دیکھا ہے، اس کتاب کا نام وہاں کی فہرست میں اس طرح درج ہے تاویلات القرآن فی بیان اصول اهل السنة واصول التوحيد لابی منصور الماتريدی جمعه الشيخ علاء الدين محمد بن احمد السمرقندی (معارف نومبر ۱۹۲۶ء)

ہونے کے ساتھ ہی ہر طرح محفوظ ہے، تاویلات ماتریدی امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ کی تصنیف ہے، جو اصول اہل السنۃ اور اصول توحید میں لاجواب کتاب ہے، شیخ عبدالقادر نے جواہر المضیۃ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب بےمثل ہی نہیں ہے، بلکہ اس فن میں تمام پچھلی کتابوں سے سبقت لے گئی، ابوبکر محمد بن احمد السمرقندی نے اس کی شرح لکھی ہے،

(۶) کشف اسرار البیان فی آداب حملۃ القرآن، یہ محمد بن الحسن بن یوسف البقائی کی تصنیف ہے، اس کا ایک نادر نسخہ کتبخانہ خدابخش خاں مرحوم میں موجود ہے، جو سورۂ انعام سے آخر قرآن تک ہے، مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے، مصنف نے اپنے قلم سے شیخ عثمان بن محمد المقری کو ۹۰۴ھ میں اس کتاب کی روایت کی اجازت لکھ دی ہے، اس کتاب میں ایک یہ بھی خوبی ہے کہ یہ مصنف پر پڑھی گئی ہے اسلئے ہر طرح صحیح ہے،

(۷) لطائف الاشارات[1]، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ کی تفسیر میں مشہور کتاب ہے، پٹنہ لائبریری میں اس کا ایک کامل نسخہ موجود ہے، جو دسویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے، بعض جگہ کتابت کی غلطیاں ہیں، لیکن نسخہ کی حالت اچھی ہے، امام موصوف کی یہ کتاب صوفیہ کے یہاں بہت معتبر ہے، اس میں صوفیہ کے اقوال سے کافی بحث ہے، ایک خاص خوبی یہ ہے کہ آیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی ہر سورہ کے ساتھ علٰحدہ تفسیر کی گئی ہے، جو اس سورہ کے معانی پر دال ہے، امام موصوف کی تفسیر میں کتاب التیسیر بھی بہت عمدہ کتاب ہے، ناقدین نے اجود التفاسیر سے یاد کیا ہے، اس کا ایک ناقص نسخہ کتبخانہ رامپور میں ہے، جو ۶۷۹ھ کا مکتوبہ ہے،

اصولِ حدیث

(۱) معرفۃ علوم الحدیث[2]، یہ امام ابو عبداللہ الحاکم المتوفی ۴۰۵ھ کی اصول میں معرکۃ الآرا تصنیف ہے،

---

[1] اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے، شروع کے صفحات کچھ کرم خوردہ ہیں، کتابت قدیم ہے، [2] اس کا ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں شیخ الاسلام کے کتب خانہ میں ہے، اور دوسرا کتبخانہ محمودیہ میں بھی ہے، (معارف نومبر ۱۹۲۶ء)

اس کا ایک کامل نسخہ پٹنہ لائبریری میں زیر مطالعہ رہا، یہ اگرچہ ۱۲۹۱ھ کا مکتوبہ ہے، لیکن غور سے پڑھو کہ کسی اچھے نسخہ سے یہ منقول ہے کیونکہ کتابت کی غلطیاں بہت کم ہیں، نسخہ کی ابتدا میں یہ عبارت ہے:

"قال المصنف اما بعد فانی لما رأیت البدع فی زماننا قد کثرت ومعرفة الناس باصول السنن قد قلت مع امعانهم فی کتاب الاخبار وکثرة طلبها علی الاهمال والاغفال دعانی الی تصنیف کتاب خفیف یشتمل علی ذکر انواع علوم الحدیث مما یحتاج الیه طلبة الاخبار المواظبون علی کتابة الآثار واعتمد فی ذلک سلوک الاختصار دون الاطناب فی الاکثار والله الموفق لما قصدته والمأتی فی بیان ما اردته، انه جواد کریم رؤف رحیم."

اس کتاب کا ایک نادر نسخہ ڈاکٹر کرنکو کو لندن میں ملا ہے، جس کی وہ نقل کر رہے ہیں، اصول حدیث میں ائمۂ فن کی کتابیں کم طبع ہوئی ہیں، ضرورت ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ شائع کیجائیں تاکہ حدیث اور رجال سے صحیح واقفیت ہوسکے، امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک کے مقدمہ میں اصول اور شرائط سے بہت کم بحث کی ہے، بلکہ کتاب المدخل پر محول کیا ہے، معرفۃ علوم الحدیث کی اشاعت سے ان کے اصول پر روشنی پڑیگی، شکر ہے کہ گذشتہ اجلاس شعبۂ علمیہ میں یہ کتاب طبع کیلئے منتخب ہوگئی ہے،

(۹) مشکل الحدیث، یہ امام ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک کی اصول حدیث میں ایک خاص تصنیف ہے، امام موصوف علامہ بیہقی کے شیوخ میں سے ہیں، اس کتاب کا نادر نسخہ پٹنہ لائبریری میں موجود ہے، یہ نسخہ ۶۰۷ھ کا لکھا ہوا ہے، ہر طرح محفوظ ہے، مقدمہ میں علماء محدثین کے دو فرقوں کو بتایا ہے، ایک وہ جو صرف نقل روایت کے پابند تھے، اور دوسرے وہ جو تحقیق اسناد اور تحصیل طرق کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے، یہ صحیح و سقیم کی تمیز رکھتے تھے، اور انکی نظر وسیع تھی، فرقۂ اولیٰ کو ظاہرہ کے نام سے تعبیر کیا ہے، اور فرقۂ ثانیہ کو محققین میں شمار کیا ہے،

(۱۰) توضیح الافکار، علامہ محمد بن اسماعیل الامیر المتوفی ۱۱۸۱ھ نے ابراہیم الوزیر کی تنقیح الانظار

کی شرح لکھی ہے، اصول حدیث میں بڑی مبسوط کتاب ہے، متقدمین اور متاخرین دونوں کے اقوال سے محققانہ بحث کی ہے، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ مولانا حیدر حسین خاں صاحب شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پاس نظر سے گذرا، جو ٹونک کے کسی اچھے نسخہ سے منقول ہے، اس کا دوسرا نسخہ پٹنہ لائبریری میں بھی ہے، قابل طبع کتاب ہے،

حدیث

(۱۱) مصنف بن ابی شیبہ، امام ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ کی حدیث میں مشہور کتاب ہے، اس کتاب کی ڈھائی جلدیں مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں نظر سے گذریں[۱]،

الثانی	کامل	اولہٗ فی قولہ تعالیٰ فصیام ثلاثة ایام فی الحج
		واٰخرہٗ باب السلف فی الشی الذی فی ایدی الناس
الرابع	اول اور آخر ناقص،	اولہٗ الرخصة فی الشعر
		آخرہٗ درء الحدود بالشبہات
الخامس	کامل	اولہٗ ذکر زهد الانبیاء
		واٰخرہٗ ذکر من الخوارج

یہ نسخہ جدید الخط ہے، غلطیاں بکثرت ہیں، بغیر کسی دوسرے نسخہ کے کارآمد نہیں ہے، مصنفات حدیث میں سے اب تک کوئی طبع نہیں ہوئی ہے، چونکہ اس کتاب کو اولیت کا رتبہ حاصل ہے، اس لئے اس کی طباعت کی طرف ارباب علم کو جلد متوجہ ہونا چاہیئے، برادر مکرم مولانا شیخ خلیل عرب ندوی پروفیسر کیننگ کالج لکھنؤ دوسری جلدوں کی تلاش اور جستجو میں ہیں، خدا کامیاب کرے،

(۱۲) مسند ابو عوانہ، یہ کتاب نایاب ہے، پٹنہ لائبریری میں اس کا جزو اول موجود ہے، یہ نسخہ قدیم الخط

[۱] مصنف بن ابی شیبہ کی دو جلدیں، کتبخانۂ محمودیہ میں بھی ہیں، (معارف دسمبر ۲۶ء)

سنہ ۷۹۶ھ کا لکھا ہوا ہے، کاتب کا نام ابراہیم بن یونس المخزومی ہے، تقریباً ۴۰۰ صفحہ کا یہ جزء ہے،

آخرہ - باب الجهر بالقراءة فی صلاۃ الکسوف

(۱۳) **علل الحدیث**، یہ علی بن عمر الحافظ الدار قطنی کی مشہور و معروف کتاب ہے، علل حدیث میں بہت معتبر تصنیف ہے، اس کا ایک نادر حصہ پٹنہ لائبریری میں زیر نظر رہا، جو تقریباً آٹھویں صدی کا لکھا ہوا ہے، یہ غالباً جزء اول معلوم ہوتا ہے، سب سے پہلے خلفاے اربعہ کے مسانید کو لیا ہے، پھر کبار صحابہؓ اور اس کے بعد مکثرین کا درجہ رکھا ہے، یہ حصہ مسند ابی ہریرہ پر ختم ہو گیا ہے، ثالث اور خامس[1] کی جلدیں بھی ہیں، مگر وہ جدید الخط ہیں،

(۱۴) **السنن الکبریٰ** فن حدیث میں فقہی تبویب و ترتیب کے ساتھ امام ابو بکر البیہقی المتوفی سنہ ۴۵۸ھ کی معرکۃ الآراء کتاب ہے، تقریباً تین سال سے یہ مبسوط کتاب دائرۃ المعارف میں زیر طبع و تصحیح ہے، اس وقت تک دو جلدیں طبع ہو کر شائع ہو گئی ہیں، اور تیسری عنقریب ختم ہونے والی اور بقیہ سات جلدیں زیر تصحیح ہیں، اس کے قلمی نسخے سندھ، مدراس، گنگوہ وغیرہ سے فراہم کیے گئے، مصری گورنمنٹ نے بھی ہماری استدعا پر جلد ثانی اور ثالث کے فوٹو کتب خانہ خدیویہ کے ایک نادر نسخے سے حاصل کرکے عاریۃً روانہ کیا ہے، جس سے تصحیح میں بہت کچھ مدد ملی، بقیہ جلدوں کی تصحیح کیلئے دوسرے قلمی نسخوں کی تلاش اور جستجو کی ضرورت پیش آگئی۔

---

[1] یہی دو جلدیں کتب خانہ آصفیہ میں بھی ہیں، جو سنہ ۱۳۲۰ھ کی مکتوبہ ہیں، غالباً اسی نسخہ سے پٹنہ لائبریری میں نقل ہو کر گئی ہیں،

مجلد ثالث اولہ - عن سعید وابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ

آخرہ - وسئل عن حدیث عبد الجلیل الشامی عن عمہ عن ابی ہریرۃ

مجلد خامس اولہ - من حدیث یزید بن شجرۃ عن النبی صلعم۔

آخرہ - وسئل عن حدیث القاسم بن محمد بن عبد الرحمن قصۃ الخنساء

آخر میں یہ عبارت ہے، واٰخر مسند النساء من کتاب العلل وهو اٰخر الکتاب،

اس لئے رامپور کے نسخہ کی تفصیلی کیفیت پیش کی جاتی ہے،

جزء من المجلد الرابع یہ ڈیڑھ سو صفحہ کا جزء ہے، جو تجلید کی غلطی سے جزء خامس میں شامل کر دیا گیا ہے،

اول ابوابہ باب اثبات فرض الحج علی من استطاع الیہ سبیلا

واٰخر ابوابہ باب من احرم بہا من التنعیم

اسی باب پر جلد رابع کا ہمارا نسخہ بھی ختم ہوتا ہے، اس جزء کے اخیر میں یہ عبارت ہے،

وحصلت هذه الکراریس وقوبلت علی نسخۃ هی لمحدث الدیار الیمنیۃ ومن محدثیها جمال الدین سلیمان بن ابراهیم العلوی وقرأها علی الحافظ ابی عمرو بن الصلاح وفیها خطهما موضوع

المجلد الخامس اول ابوابہ جماع ابواب الاختیار فی افراد الحج والعمرۃ

واٰخر ابوابہ باب الدلیل علی ان النزول بالمحصب لیس بنسک

نسخہ مختلف الخط ہے، تجلید میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے، جو امعان نظر سے پتہ چل سکتا ہے، اس نسخہ کا اپنے نسخہ کے بعض صفحات سے مقابلہ کیا گیا، بعض جگہ الفاظ صحیح اور عبارتیں زیادہ ہیں، آخر میں یہ عبارت ہے، قد قوبل هذا الجزء من نسخۃ ابی القاسم ابن عساکر رحمہ اللہ

المجلد السادس، یہ نسخہ بھی قدیم الخط ہے، چند صفحات کا اپنے نسخہ سے مقابلہ کیا گیا، حالت بہت اچھی ہے، آخر میں یہ عبارت ہے،

انتهت قراءۃ سیدنا محمد بن الشیخ المرحوم تقی الدین عمر العوادی المدرس فی مدرسۃ المنصوریۃ الشهیدیۃ المعروفۃ بالعراقیۃ بهذا الکتاب المبارک وهو الجزء السادس من السنن الکبری للامام البیهقی فی یوم الخمیس الثامن والعشرین من شهر رمضان المعظم سنۃ ۶۳۳ھ وقابلت باصل الذی هو اصل الشیخ تقی الدین ابی عمرو عثمان بن عبد الرحمن عرف بابن الصلاح

کاتب الحروف سلیمان بن ابراهیم بن عمر العلوی،

جزء من المجلد السابع اس نسخے کے اول صفحہ پر "الجزء الثانی عشر من السنن الکبریٰ" کی عبارت درج ہے، میں نے اول اور آخر کے ابواب اور کچھ عبارتیں نقل کر لی تھیں، تاکہ اپنے نسخہ سے مقابلہ کرکے تحقیق کی جائے کہ یہ کونسا حصّہ ہے، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ جلد سابع کا ایک حصّہ ہے، اول اور آخر دونوں ناقص ہیں، ہمارے نسخہ میں جلد سابع کا پہلا باب کتاب قسم الصدقات اور آخری باب نفقۃ الابوین ہے، یہ ناقص حصہ کتاب النکاح سے شروع ہوتا ہے اور باب من قال الذی بیدہٖ عقدۃ النکاح الولی پر ختم ہوتا ہے، کتابت کی تاریخ تو نہیں ہے، لیکن قدیم الخط ہے،

المجلد الثامن۔ یہ جزو کامل ہے، سنہ ۶۴۱ھ کا لکھا ہوا، محمد بن اسماعیل الامیر مشہور محدث کا نسخہ ہے، جنھوں نے سلیمان بن عمر العلوی سے اس کی روایت کی اجازت حاصل کی، علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس اور سلیمان بن ابراہیم کے قلم کی عبارتیں ہیں، آخر کتاب میں طویل سند درج ہے، جس میں تلامذہ اور شیوخ کا تفصیلی ذکر ہے، گویا کیفیتِ اخذ کا روزنامچہ ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ فلاں طالب علم آج قاری تھا، اور سامعین میں اس قدر طلبہ شریکِ درس تھے، اور فلاں طالب علم بوجہ علالت شرکت درس سے محروم رہا، درس کی مقدار بھی تاریخ کے ساتھ حاشیہ پر لکھی ہوئی ہے، جلد ثامن کے آخیر میں یہ سند شائع کیجائے، تاکہ محدثین کا حزم و احتیاط نمایاں ہو سکے، آخر میں یہ عبارت ہے،

وقد ذکر من قرأ وسمع معلماً او متعلماً الی ان ذکر فی اٰخرہ قرأت جمیع ھذا المجلد الثامن وما قبلہ من سیدنا ومولانا الشیخ تقی الدین ابی عبد اللہ محمد بن الحسین بن رزین الشافعی وسماعہ لکلہ من الشیخ تقی الدین بن صلاح واجازتہ للباقی منہ وسماعہ للقدر الذی اجازہ لہ الشیخ تقی الدین من الشیخ شرف الدین بن ابی الفضل وثبت فی آخر مجالسہا یوم الاحد الخامس عشر من جمادی [illegible]

المجلد العاشر، یہ نسخہ قدیم الخط ہے، اور مصنف کے نسخہ سے منقول ہے، بعض جگہ کرم خوردہ ہے، اور بعض جگہ خط میں اختلاف ہو گیا ہے، اس میں تقریباً سو صفحہ جلد تاسع کے شامل ہو گئے ہیں،

اول ابوابہ، من اقتصر فی عقیقۃ الغلام بشاۃ واحدۃ

آخر ابوابہ، عدۃ ام الولد اذا توفی عنھا سیدھا

من اقتصر فی عقیقۃ الغلام بشاۃ واحدۃ سے باب ما جاء فیمن مر بحائط انسان او ماشیتہ تک جلد تاسع کا حصّہ ہے،

المجلد العاشر یہ نسخہ مکرر ہے، ابتدا کے اوراق کسی دوسرے نسخہ سے منقول ہیں، بقیہ حصہ تقی الدین ابن صلاح کے نسخہ سے سنہ ۶۱۹ھ کا لکھا ہوا ہے، منقول عنہ میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مقابلہ دو اور اصلوں سے ہوا ہے، ایک اصل تو علامہ ابن عساکر کی ہے، جس کی سند مصنف تک پہونچتی ہے، جس کی علامت "ص" ہے، اور دوسری اصل ابو المواہب الحسن بن ہبۃ اللہ کی ہے، جو علامہ ابن عساکر پر پڑھی گئی، اس اصل کی قرأت اور سماعت بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۶۳۵ھ میں بمقام دمشق ختم ہوئی، یہ عبارت جو تقریباً ایک صفحہ کی ہے، علامہ تقی الدین کے قلم کی لکھی ہوئی ہے، جس کا اقتباس درج کیا گیا ہے، آخر میں یہ عبارت ہے،

ونقلت من خط العلامۃ قاضی القضاۃ تقی الدین محمد بن الحسن وجدت بخط الامام الحافظ ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی المصنف رحمہ اللہ فی نسخۃ الاصل التی بخطہ فی آخر الکتاب ما صورتہ "فرغت منہ بحمد اللہ ومنہ یوم الاثنین الثامن عشر من جمادی الآخرۃ سنۃ اثنتین وثلاثین واربعمائۃ

کتاب الاوسط او الکبیر من السنن من تالیف الشیخ الامام العالم ابی بکر البیہقی

نسخہ کے اول صفحہ پر یہ عبارت درج ہے، اب تک تحقیق نہ ہو سکی کہ یہ سنن اوسط ہے یا کبیر، ابواب پر نظر ڈالنے سے پتہ چلا کہ اس میں کتاب الجہاد، کتاب الصید والذبائح کا بیان ہے، سنن کبریٰ میں کتاب الجہاد جلد تاسع میں ہے، لیکن عبارت اور باب میں کوئی موافقت نہیں ہے،

اول ابوابہ ذکر التغلیظ علی من عنف باھل الذمۃ فی مطالبتھم بالجزیۃ

اخر ابوابہ ذکر السبق فی النصل

نسخہ قدیم الخط ہے، آخر میں یہ عبارت ہے،

کان الفراغ منہ ظہیرۃ الاربعاء الثامن عشر بشہر رمضان المعظم سنۃ ثلاث وثلاثین وسبعمائۃ

بدمشق علی ید الفقیر ابن الفقیر ھبۃ اللہ بن عبد الرحمن بن محمد بن ھبۃ اللہ البکری نسبا

المالکی مذھبا المغربی منشأ وھو کذا

جزء من السنن الصغیر، نسخہ کے اول صفحہ پر ایسا ہی لکھا ہے، اس میں کتاب البیوع، کتاب النکاح،

کتاب الطلاق، کتاب الایلاء، کتاب الظہار کا بیان ہے، اس کی عبارتوں کا مقابلہ سنن کبریٰ سے کیا گیا،

قیاس کہتا ہے کہ یہ سنن صغیر ہی کا جزو ہو کیونکہ تحویل اور طرق مختلفہ کو حذف کر دیا ہے، نسخہ بہت اچھا ہے،

بعض علماء کے حواشی بھی ہیں،

(۱۵) حلیۃ الاولیاء، یہ علامہ ابو نعیم الاصفہانی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ کی تصنیف ہے، جو ایک حدیث کی کتاب

ہونے کے علاوہ تصوف کی سند تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے، اس طرز پر یہ بے مثل کتاب ہے، علماء محدثین

اور صوفیہ سبھوں نے اس کی ندرت کی تعریف کی ہے، اور کتاب حسن معتبر کے الفاظ سے یاد کیا ہے، یہ کتاب

دائرۃ المعارف میں زیر تصحیح ہے، اس کا ایک جدید الخط نسخہ دائرہ کو دستیاب ہوا، جو تحقیق سے معلوم ہوا کہ مولانا

عبد الحی صاحب کے نسخہ سے منقول ہے، اصل کی حالت نقل سے بہت اچھی ہے، دوسرا نسخہ کتب خانہ

رام پور میں زیر مطالعہ رہا، یہ اگرچہ سنہ ۱۲۰۰ھ کا لکھا ہوا ہے، لیکن غالباً کسی اچھے نسخے سے منقول ہے کیونکہ

الفاظ صحیح اور عبارتیں زیادہ ہیں، تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کے نسخہ سے منقول ہے، اس کا ایک

جدید الخط نسخہ نواب صاحب بریاواں ضلع پرتاب گڈھ کے کتب خانہ میں بھی ہے، وقت کی تنگی کی وجہ کر

اس کے دیکھنے کا موقع نہ مل سکا، اس کا ایک ناقص حصہ جو غالباً دوسری جلد تک ہے، حال میں مخدومی مولانا

حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی ادام اللہ فیوضہ العلیہ کو ہاتھ آیا ہے، جو تقریباً سنہ ۱۱۰۰ھ صدی کا لکھا ہوا ہے،

اس وقت یہی نسخہ دائرۃ المعارف میں زیر مقابلہ ہے، اس کا ایک قدیم الخط نسخہ برٹش میوزیم میں بھی ہے،

مسٹر کرنکو نے اس کے بعض صفحات کے فوٹو روانہ کئے ہیں، کتابت صاف ہے، اور نسخہ محفوظ ہے، اگر یہ

فوٹو حاصل ہو گیا تو انشاء اللہ یہ کتاب جو حدیث اور تصوف کا مجمع البحرین ہے، اچھی طرح شائع ہو سکے گی،

فقہ

(۱۶) تلخیص جامع کبیر، یہ کمال الدین محمد بن عباد بن ملک داؤد بن حسن بن داؤد الاخلاطی المتوفی سنہ ۶۵۲ھ

کی فقہ میں جامع کبیر کی تلخیص ہے، اس کا ایک ناقص نسخہ جو سنہ ۷۲۴ھ کا لکھا ہوا ہے، مولانا عبد الحی کے کتبخانہ

میں نظر سے گذرا، اسی کے ساتھ خواجہ مسعود بن محمد الغجدوانی کی شرح بھی ہے، جو تلخیص کے شروح میں ممتاز ہے،

تلخیص اور شرح کا مجموعہ دو سو صفحہ سے زیادہ کا ہے، کتاب الصیام تک کی بحث ہے، نسخہ کے آخر میں یہ عبارت

ہے، علی ید العبد الضعیف المحتاج النحیف الی ربہ اللطیف مسعود بن محمد دبار غندی

عفر اللہ لہ ولوالدیہ غرۃ جمادی الاول سنہ ۷۲۴ھ بمقام بلدہ[1]،

(۱۷) شرح زیادات[2]، یہ احمد بن محمد بن عمر العتابی المتوفی سنہ ۵۸۶ھ کی زیادات کی شرح ہے، اس کا کامل

نسخہ مولانا عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں نظر سے گذرا جو سنہ ۱۰۲۳ھ کا لکھا ہوا ہے، کاتب کا

نام سراج الدین صدیقی ہے، اس کا ایک اور نسخہ تقریباً سنہ ۱۱۰۰ صدی ہجری کا لکھا ہوا مخدومی مولانا حبیب الرحمن

خانصاحب ادام اللہ ظلہ کے کتب خانہ میں ہے، مقدمہ میں مصنف نے یہ لکھا ہے،

"قال فیہ انی لما رأیت فی اھل الزمان زماننا فی اقتباس العلم واختیار المختصر من کل

شیٔ حملنی ذلک ان اکتب شرح الزیادات موجز العبارات"

(۱۸) کتاب التیسیر لمعانی الجامع الکبیر، یہ علی بن خلیل بن علی بن حسین الاخلاطی کی کتاب ہے،

اس کا کامل نسخہ مولانا عبد الباری مرحوم کے کتبخانہ میں ہے، جو اگرچہ جدید الخط ہے لیکن سنہ ۹۱۰ھ کے مکتوبہ نسخہ سے منقول ہے،

---

[1] بلدہ کا نام نہ پڑھا جا سکا، تلخیص اور اس کی شرح کا کامل نسخہ کتبخانہ خدیویہ میں بھی ہے،

[2] اس کا ایک نادر نسخہ کتب خانہ خدیویہ میں ہے، جو سنہ ۶۲۳ھ کا لکھا ہوا ہے،

(۱۹) **محیط السرخسی**، امام رضی الدین محمد بن محمد السرخسی مشہور فقہائے احناف میں سے ہیں، امام موصوف نے فقہ حنفی میں محیط کے نام سے تین کتابیں تالیف اور تصنیف کیں، ایک کبریٰ، دوسری وسطیٰ اور تیسری صغریٰ، کبریٰ کی دس جلدیں، وسطیٰ کی چار جلدیں اور صغریٰ کی دو جلدیں ہیں، اس کتاب[۱] کے متعدد نسخے نظر سے گذرے ہیں، لیکن سب کے سب ناقص ہیں، اس کا ایک حصہ پٹنہ لائبریری میں ہے، جو ... ہے، کتاب الشرکت سے باب المتشابہ بالفرائض تک کا جزء ہے، کتب خانہ رامپور میں بھی ایک ناقص جزء ہے، اس کی وجیز المحیط یعنی محیط صغریٰ کا بھی ایک حصہ پٹنہ لائبریری میں موجود ہے، جو باب الوصیۃ للفقراء والمساکین تک ہے، یہ قدیم الخط ہے،

(۲۰) **محیط البرہانی** برہان الدین محمود بن احمد بن عبد العزیز البخاری المتوفی ۶۱۶ھ کی فقہ میں ایک مبسوط کتاب ہے، اس کتاب کی کل چار جلدیں ہیں[۲]، جن میں سے تین جلدیں کتبخانہ رامپور میں بہت اچھی حالت میں ہیں،

---

[۱] اس کتاب کا کامل نسخہ ایک جگہ دستیاب ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے، لیکن تمام نسخے اگر جمع کئے جائیں تو ممکن ہے کہ ایک کامل نسخہ مرتب ہو جائے، کتبخانہ خدیویہ میں جزء رابع، جزء خامس، جزء سادس اور جزء سادس اور جزء عاشر ہے، جن میں سے بعض کرم خوردہ بھی ہیں، اس کی تین جلدیں کتب خانہ آصفیہ دکن میں بھی ہیں،

جلد اول	کتاب الطہارۃ سے کتاب النکاح تک ہے،
جلد دوم	کتاب الذبائح سے کتاب الشہادۃ تک ہے،
جلد سوم	کتاب السرقۃ سے کتاب الوصیۃ تک ہے،

یہ سب قدیم الخط ہیں، جلد ثالث کے اخیر میں تقریباً ۸۰ صفحے کسی دوسرے نسخے سے منقول ہیں،

[۲] اس کا ایک ناقص حصہ ٹونک کے کتبخانہ میں ہے، جو قدیم الخط ہے، اور ایک کامل نسخہ مدینہ طیبہ میں کتبخانہ شیخ الاسلام میں ہے، جو ۱۱۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے، کتبخانہ خدیویہ میں بھی کامل نسخہ ہے، جو ۱۱۶۲ھ کا لکھا ہوا ہے،

جلد اوّل	۴۳۶ صفحہ کی ہے،	کتاب الحج تک ہے،
جلد دوم	۴۹۸ صفحہ کی ہے،	کتاب الاقرار سے شروع ہو کر کتاب القضا پر ختم ہوتی ہے،
جلد سوم	۵۹۲ صفحہ کی ہے،	کتاب الجہاد وغیرہ ہے،

یہ تینوں حصے قدیم الخط ہیں، اور ایک ہی کاتب کے لکھے ہوئے ہیں، اس کا ایک جزء کتب خانہ خدابخش خاں مرحوم میں بھی ہے، یہ کتاب مضامین فقہی کے اعتبار سے بہت اعلیٰ وارفع ہے، مصنف کے مقدمہ کی عبارت یہ ہے،

قال قد وقع فی رأیی ان التشبہ باسلافی بتالیف اصل جلیل یجمع جل الحوادث الحکمیۃ والنوازل الشرعیۃ لیکون عونا فی حال حیاتی واثرا حسنا بعد وفاتی فجمعت مسائل المبسوط والجامعین والسیر والزیادات والحقت بہا مسائل النوادر والفتاوی والواقعات وضممت الی ذلک من الفوائد التی استفدتہا من والدی ومن مشائخ زمانی وفصلت الکتاب تفصیلا۔

رجال وطبقات

(۲۱) **الکاشف**، رجال صحاح ستہ میں علامہ ذہبی کی مشہور کتاب ہے، اس کا ایک نادر نسخہ پٹنہ لائبریری میں نظر سے گذرا، جو ہر طرح محفوظ ہے، علامہ ابو الفتح سبکی المتوفی ۷۴۴ھ نے ۷۳۳ھ میں اس کی کتابت کی ہے، اس کا ایک اور نسخہ کتب خانہ رامپور میں ہے، جو ۹۳۲ھ میں لکھا گیا ہے، فرنگی محل میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے[۱]

(۲۲) **العبر فی اخبار من غبر**، علامہ ذہبی کی قرن سابع کے رجال میں بہترین کتاب ہے، جو رجال کے علاوہ تاریخی حیثیت بھی رکھتی ہے، اس کا ایک اچھا نسخہ کتبخانہ علویہ ریاست سلیم پور میں نظر سے گذرا جو ۷۶۹ھ کا لکھا ہوا ہے، دونوں جلدیں محفوظ ہیں، اس کا ایک اور نسخہ مولانا ناصر حسین صاحب کے کتبخانہ میں بھی ہے[۲]،

---

[۱] اس کا ایک نسخہ کتبخانہ آصفیہ میں بھی ہے جو ۹۱۶ھ کا لکھا ہوا ہر طرح محفوظ ہے۔ [۲] اس کے متعدد نسخے برٹش میوزیم میں ہیں،

(۲۲) نہایۃ السول فی رواۃ ستۃ الاصول، یہ ابراہیم بن محمد بن خلیل سبط بن العجمی التوفی ۸۴۱ھ کی تصنیف ہے، جس میں کئی ہزار رواۃِ حدیث کی جرح و تاویل کی گئی ہے، ابتدائے صفحہ پر یہ لکھا ہے کہ ایسی کتاب اب تک تالیف نہیں ہوئی ہے، خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ کتب خانہ رامپور میں نظر سے گذرا، یہ نسخہ ہر طرح محفوظ ہے، حواشی اور زیادات بھی بخط مصنف ہیں، شروع میں فنِ رجال پر ایک للجواب مقدمہ ہے، جس کی موجودہ زمانہ میں بہت زیادہ ضرورت ہے، نسخہ کے اخیر میں بخط مصنف یہ عبارت ہے،

فرغ من تالیفه ابراهیم بن محمد بن خلیل سبط بن العجمی الملکی فی سادس عشر ربیع الاول سنة تسع وعشرین وثمانمائة وابتدأت علیه فی اثناء ربیع الاول او الآخر ۸۲۳ھ بالمدرسة الشرقیة بحلب الحمد لله، وحده وصلی الله علی سیدنا محمد واله وصحبه وسلم،

(۲۳) الدرر الکامنہ، حافظ ابن الحجرؒ کی آٹھویں صدی کے رجال میں مشہور کتاب ہے، تقریباً تین سال سے دائرۃ المعارف کی نگرانی میں زیرِ ترتیب و تصحیح ہے، سب سے پہلے اس کا ایک نادر نسخہ مسٹر کرنکو کو شام میں دستیاب ہوا، جو امام سخاوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اور مصنف نے خود اس کی تصحیح کی ہے، مسٹر موصوف نے اس کی نقل کی اور برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کے نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کر کے طبع کے لئے بھیجدیا ہے، اس نسخہ میں بعض جگہ بیاض ہے، اس بنا پر اثنائے سفر میں اسکے اور نسخوں کی تلاش تھی، چنانچہ اس کے چار نسخے نظر سے گذرے،

(۱) پٹنہ لائبریری میں جدید الخط ہے، حیدر آباد کے نسخہ سے منقول ہے، (۲) کتبخانہ ریاست سلیم پور میں حرف ع میں عطیہ تک کے احوال ہیں، یہ بھی جدید الخط ہے، (۳) کتب خانہ ریاست رامپور میں یہ نسخہ کامل ہے، مدینہ طیبہ کے نسخہ سے منقول ہے، صحت کے اعتبار سے اچھا نسخہ ہے، بعض صفحات کا مقابلہ کیا گیا، (۲۰) صفحہ کے اندر پانچ سات جگہ عبارتیں زیادہ اور الفاظ صحیح ہیں، (۴) مولانا ناصر حسین صاحب کے کتبخانہ میں دو جلدیں ہیں، ایک قدیم الخط ہے جو عطیہ تک کے احوال پر مشتمل ہے، دوسری

علی بن ابراہیم سے آخر تک ہے جو جدید الخط ہے، جلد اول کے بعض صفحات کا مقابلہ کیا گیا، یہ اس نسخہ کی زیادہ تائید کرتا ہے، جو امام سخاوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، حاشیہ پر بعض علماء کی تصحیح بھی ہے[۱]،

(۲۴) جمہرۃ النسب، لابن حزم الاندلسی، یہ علم الانساب اور معرفۃ القبائل کے عنوان پر لکھی گئی ہے، نہایت مفید کتاب ہے، اس کا ایک نسخہ پٹنہ لائبریری میں نظر سے گذرا جو ۹۰۰ھ کا مکتوبہ ہے[۲]،

(۲۵) طبقات الحنابلہ، قاضی ابو یعلی الموصلی التوفی ۵۲۶ھ کی مشہور تصنیف ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے تذکرہ سے شروع کیا ہے، اور ۵۱۲ھ تک کے رجالِ حنابلہ کا ذکر کیا ہے، پٹنہ لائبریری میں اس کا ایک نادر نسخہ نظر سے گذرا جو ۶۳۷ھ کا لکھا ہوا ہے، اس کتاب کا ایک اور نسخہ تین جلدوں میں کتبخانہ علوم ریاست سلیم پور میں بھی ہے، جو اگرچہ زیادہ قدیم الخط نہیں ہے، لیکن ہر طرح صاف ہے،

(۲۶) طبقات الحنابلہ لابن رجب، شیخ زین الدین عبدالرحمن بن احمد المعروف بابن رجب المتوفی ۷۹۵ھ کی کتاب ہے، انھوں نے ۷۵۰ھ تک کے رجالِ حنابلہ کا ذکر کیا ہے، اور ان کے احوال لکھے ہیں، اس کا بھی کامل نسخہ پٹنہ لائبریری میں موجود ہے، اس کی ایک جلد کتب خانہ ندوۃ العلماء میں بھی ہے، اور اس کی دوسری جلد مولانا ابو الکلام آزاد دہلوی ندوہ کے کتبخانے سے لیگئے ہیں[۳]،

(۲۷) ذیل طبقات الحنابلہ، محمد بن عبد اللہ النجدی المتوفی ۱۲۹۲ھ نے بعد کے رجالِ حنابلہ کا اضافہ کیا ہے،

سیر و تاریخ

(۲۸) نور النبراس[۴] فی شرح سیرۃ ابن سید الناس، ابن سید الناس الاندلسی التوفی ۷۳۴ھ

---

[۱] اس کا ایک نادر نسخہ کتب خانہ خدیویہ میں بھی ہے، اور مدینہ طیبہ کے کتب خانوں میں بھی ہے، [۲] اس کا ایک قدیم نسخہ رباط الفتح (مراکو) میں ہے، [۳] اس کا ایک نسخہ لیبزگ میں ہے، اور دوسرا قسطنطنیہ میں ہے، [۴] اس کتاب کا ایک نسخہ شیخ الاسلام (عارف حکمت بے) کے کتب خانہ میں بھی ہے، (معارف اعظم گڈھ نومبر ۱۹۲۶ء)

نے سیرت میں عیون الاثر کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی اور اس کے بعد علامہ برہان الدین ابراہیم بن محمد الحلبی سبط ابن العجمی نے اس کی شرح کی، ناقدینِ فن نے اس کے متعلق لکھا ہے،

اس کا ایک کامل نسخہ کتبخانہ ندوۃ العلماء میں نظر سے گذرا، نسخہ محفوظ ہے،

(۲۹) بہجۃ المحافل فی السیر والمعجزات والشمائل، یہ شرف الدین یحییٰ بن ابی العامری المتوفی ۸۹۳ھ کی فن سیر میں ایک تصنیف ہے، اس کا ایک قدیم الخط نسخہ پٹنہ لائبریری میں ہے، جو ۹۳۲ھ کا لکھا ہوا ہے، اور ایک دوسرا نسخہ کتبخانہ ندوۃ العلماء میں بھی ہے، جو ۱۰۱۱ھ کا مکتوبہ ہے،

(۳۰) سیر النبلاء، علامہ ذہبی نے اپنی تاریخ کبیر کا خلاصہ کرکے ۲۰ جلدوں میں اس کتاب کو ملخص کیا ہے، اس کتاب کی دو جلدیں کتب خانہ مولانا عبد الحی صاحبؒ میں نظر سے گذری ہیں،

جزو سابع اسکی ابتدا ابحکم بن موسی المحدث المتوفی ۲۳۲ھ کے احوال سے کی ہے، اور انتہا ابراہیم بن العربی المتوفی ۲۹۵ھ کے احوال پر ہے،

جزو خامس عشر میں ۱۲ طبقہ سے ۱۵ طبقہ تک کے حالات ہیں،

(۳۱) تاریخ ابن عساکر اس کتاب کے دو جزو پٹنہ لائبریری میں موجود ہیں جو نہایت نادر ہیں،

(۱) الجزء الحادی والثلاثین، جس میں عائذ سے عائذ اللہ تک کے احوال ہیں،

(۲) الجزء الثانی والخمسین، علی سے شروع ہو کر فی آبار من اسمہ عمر تک کے احوال ہیں، یہ دونوں ۶۱۴ھ ۶۱۵ھ کے مکتوبہ ہیں، دونوں کا کاتب ایک ہے،

(۳۲) تاریخ ابن حبان، اس کا پہلا حصہ مولانا عبد الحی صاحبؒ کے کتبخانے میں موجود ہے، ام درکم تک کے حالات درج ہیں، یہ نسخہ ۱۲۹۴ھ کا لکھا ہوا ہے،

(۳۳) تاریخ کبیر للذہبی، اس کا ایک جزو کتب خانہ ندوۃ العلماء میں ہے، ابو عثمان سعید بن سلیمان المحری تک کے حالات ہیں، یہ ۱۲۵۶ھ میں بغداد کے نسخہ سے نقل ہوا ہے،

جزو البدایہ والنہایہ[۱]، علامہ ابن کثیر الجزری کی تاریخ میں ایک مبسوط کتاب ہے، جو دس جلدوں میں ہے، اس کا ایک حصہ پٹنہ لائبریری میں زیر مطالعہ رہا، جو ہجرت سے وفات تک کے واقعات پر مشتمل ہے، نسخہ نادر ہے، ۸۹۲ھ میں مصر میں اس کی نقل ہوئی ہے، اس کتاب کا ایک اور حصہ مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی کے کتبخانہ میں ہے، جو ابتدائے ہجرت نبوی سے ۵۰ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، ۱۲۵۶ھ میں لکھا گیا ہے،

ان کتبخانوں کے نوادر کی فہرست بہت طویل ہے، جو انشاء اللہ کسی خاص موقع پر پیش کی جائے گی، اس وقت صرف ان کتابوں کے نسخوں کا حال لکھا گیا ہے، جن کی دائرہ کو آئندہ ضرورت ہے،

شکریہ، میں سب سے پہلے مولانا قطب الدین صاحب عبد الوالی فرنگی محلی، مولوی محمد ایوب صاحب فرنگی محلی، ناظم صاحب ندوۃ العلماء، جناب راجہ صاحب سلیم پور، سکریٹری صاحب پٹنہ لائبریری، چیف سکریٹری صاحب ہز ہائینس نواب صاحب رام پور، ناظم صاحب کتبخانہ ریاست رام پور اور حضرت مولانا ناصر حسین صاحب کا اس امر پر دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان معزز اصحاب نے اپنے علمی خزانوں سے فیضیاب ہونے کا دریا دلی سے موقع عنایت فرمایا، اور ہر قسم کی سہولت بہم پہونچائی، جزاہم اللہ خیر الجزاء،

نیز ارکین مجلس دائرۃ المعارف کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھ ایسے ناچیز کا اس اہم علمی خدمت کیلئے انتخاب فرمایا، اور سب سے زیادہ اس رب العزت کا شکر گذار ہوں، کہ جس نے انجام کار کی توفیق عطا فرمائی، وما توفیقنا الا باللہ،

سیرت عائشہؓ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زندگی کے مبارک حالات، اور علمی، ادبی اور اخلاقی کارنامے خواتین عالم پر آپ کے احسانات وغیرہ وغیرہ، کاغذ، لکھائی چھپائی، نہایت عمدہ ضخامت ۴۵۰ صفحے، قیمت ہے،

"مینجر"

[۱] اس کا ایک نسخہ دائنا میں ہے،

زردشت[1]

از

جناب مولانا سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے پروفیسر عربی اسلامیہ کالج کلکتہ

ایران قدیم کے پیغمبر زردشت کی زندگی پر اس قدر تاریکی چھائی ہوئی ہے، کہ ہم یقین کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ کب عالمِ وجود میں آیا، کس شہر کو اس کی پیدایش کا شرف حاصل ہے، کس زمانہ اور کس مقام میں اس کی نبوت کا آغاز ہوا، کون سی مقدس کتاب اس پر نازل ہوئی اور وہ اپنی قوم کیلئے کون سی بشارت لیکر آیا تھا؟ بعض مورخین تو زردشت کے تاریخی شخص ہونے میں کلام کرتے ہیں، اور اسے صرف ایک خیالی ہستی سمجھتے ہیں،

اگرچہ عہد حاضر کے مستشرقینِ یورپ نے ان مسائل پر بہت کچھ لکھا ہے، اور اپنی تحقیقات سے ان مسائل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، لیکن ان کے بیانات باہم اس قدر مختلف ہیں کہ ایک صحیح نتیجہ تک پہونچنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے، مثلاً مختلف روایات میں یہ روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے، کہ زردشت کا عہد سکندر سے ۲۵۸ سال قبل شروع ہوا، مگر انسائیکلوپیڈیا میں اس روایت پر شبہہ ظاہر کیا گیا ہے، اور اس میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ "ڈاکٹر وسٹ (جو پہلوی زبان کے مسلم ماہر سمجھے جاتے ہیں) نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "بندھیشن" اور دیگر پارسی کتب کا بیان کہ زردشت سکندر سے ۲۵۸ سال قبل پیدا ہوا بالکل صحیح ہے" لیکن ڈاکٹر موصوف کی یہ کوشش ناکام رہی ہے" اسی طرح

[1] اس مضمون کیلئے متعدد کتابوں سے مواد لیا گیا ہے جن میں یہ دو کتابیں خاص کر قابل ذکر ہیں، (۱) پروفیسر ولیم جیکسن کی "زردشت" اور (۲) پروفیسر براؤن کی "تاریخ ادبیاتِ ایران"

عموماً یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ زردشت کی مذہبی کتاب "اوستا" کی زبان "زند" تھی، اور یہ کتاب عہد کیانی میں نازل ہوئی، حالانکہ پروفیسر براؤن نے اپنی مشہور و معروف کتاب "تاریخ ادبیاتِ ایران" میں لکھا ہے کہ "یہ غلط ہے کہ "اوستا" کی زبان "زند" تھی، "اوستا" ایک خاص زبان میں لکھی گئی جس میں کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی" اور اس زبان کو "اوستک" کہنا چاہئے، "اوستا" کا وہ حصہ جو "گاتھا" کے نام سے موسوم ہے کسی قدر مختلف طرزِ املا میں لکھا گیا ہے، عہد ساسانی کے قبل لفظ "اوستا" کا پتہ مشکل سے ملتا ہے، اگرچہ اُپرٹ نے دارا کے ایک کتبہ کے لفظ "اپاستام" کو "اوستا" کا مرادف قرار دیا ہے، پس "زند واوستا" کے صحیح معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ زردشت پر جو کتاب نازل ہوئی وہ "اوستا" تھی، اور پہلوی زبان میں جو اس کی شرح لکھی گئی، اس کا نام "زند" ہے،

ان اصولی اختلافات کی حالت میں ظاہر ہے کہ زردشت اور اس کے مذہب پر جو کچھ لکھا جائے، وہ ظنیات اور احتمالات سے زیادہ وقیع نہیں ہو سکتا، اب تک اردو زبان میں اس مضمون پر بہت کم لکھا گیا ہے، اور جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ کچھ ایسا الجھا ہوا ہے کہ پڑھنے والے کو کافی اطمینان نہیں ہوتا، اس مضمون پر بہترین کتاب جو میری نظر سے گذری اے وی ولیم جیکسن پروفیسر کالمبیا یونیورسٹی کی کتاب "زردشت" ہے، تفصیلی حالات کیلئے، اسی کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہئے، میں مضمون زیرِ قلم میں زردشت کی سوانح عمری اور واقعاتِ زندگی سیدھے سادے پیرایہ میں بیان کرتا ہوں، اور نیز اس کے مذہبی اعتقادات پر اجمالی نظر ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں،

زردشت کے حالات لکھنے کے قبل ایران کے مختلف عہدوں کا ایک خاکہ پیش نظر کر دینا انسب ہوگا، اس سے سلسلۂ واقعات کی کڑیاں مل جائینگی،

مورخین نے ایران کی تاریخ کو آٹھ عہدوں پر منقسم کیا ہے، اور وہ یہ ہیں،

(۱) ایرین عہد، عام خیال ہے کہ ایرین قوم کا اصلی وطن وسط ایشیا رتھا، وہاں سے کچھ لوگ

مغرب کی طرف منتقل ہوگئے، جو موجودہ یورپین اقوام کے اسلاف تھے، اور ایک گروہ مشرق کی طرف ہندوستان آیا، اور قدیمی باشندگانِ ہند کو شکست دے کر یہاں بس گیا، ایک عرصہ کے بعد اس گروہ کے دو حصے ہوگئے، ایک نے ایران کے مشرقی مقامات میں بود و باش اختیار کر لیا، اور وہاں نظامِ حکومت قایم کیا،

(۲) ایرانی عہدِ قدیم، ۱۶۰۰ ق م کے لگ بھگ ایرانی قوم ملک کے مغربی حصے کی طرف پھیلنے لگی، بعض جماعتیں، شام، عراق، عرب تک پہونچ گئیں، مختلف سرداروں نے اپنی قیادت میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قایم کیں،

(۳) اسیرین عہد، اس عہد میں جو ولادتِ مسیح سے ایک ہزار سال قبل شروع ہوا، سارے ایران پر اسیرین تسلط کا اثر نمایاں تھا، اسیرین بادشاہوں میں سالمنسر نے سب سے پہلے ۸۳۶ ق م میں ایرانیوں پر حملہ کیا، اور ہزاروں کو تہِ تیغ کیا، اس کے بعد ۷۱۵ ق م میں ایران کی تمام ریاستوں نے اسیرین بادشاہوں کو خراج دینا گوارا کیا،

(۴) پشدادی عہد، (یا میڈک عہد) میڈی ایران کے مغربی حصے کے باشندے تھے اور ہمدان انکا پایہ تخت تھا، عرصہ تک اسیریوں کی محکومی کرتے رہے، اور پھر سنہ ق م میں آزادی کا اعلان کر دیا، ۶۲۲ ق م میں فریورتش نے سارے ایران پر اپنا سکہ جما لیا،

(۵) کیانی عہد (یا ہخنشی عہد) ۵۵۰ ق م میں سائرس نے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ۳۳۰ ق م تک باقی رہی، اس خاندان کے آخری بادشاہ دارا کو سکندر نے شکست دیکر ایران میں اپنا تسلط قایم کیا،

(۶) اشکانی عہد (یا پارتھین عہد) یہ زمانہ طوائف الملوکی کا تھا، سکندر کے حملہ سے ایران پاش پاش ہوگیا تھا، چھوٹے چھوٹے سردار تھے مگر کوئی مرکزی حکومت نہ تھی، یہ بدنظمی ۲۵۰ ق م سے

۲۲۶ عیسوی تک رہی،

(۷) ساسانی عہد (۲۲۶ء سے ۶۵۲ء) اردشیر نے اشکانی عہد کے آخری بادشاہ اردوان کو شکست دیکر ساسانی حکومت کی بنیاد ڈالی، اس خاندان کے بادشاہ کو اہل یونان خسرو اور اہل عرب کسریٰ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، نوشیرواں کی وفات (۵۷۹ء) کے بعد اس خاندان کا زوال شروع ہوا،

(۸) اسلامی عہد، حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے سعد بن وقاصؓ کے زیر قیادت ایران فتح کیا، آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد ۶۵۲ء میں مارا گیا، اور اس کے بعد ایران کا اسلامی دور شروع ہوا،

زردشت کی شخصیت، بعض مورخین جیسا اوپر بیان ہوا زردشت کو ایک خیالی ہستی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے وجود کا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں، مگر یہ نظریہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ مختلف ذرائع سے زردشت کے وجود کی شہادتیں ملتی ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے،

ا۔ ایرانی شہادتیں، "اوستا" اور "گاتھا" (جو آتش پرستوں کی مذہبی کتابیں ہیں، اور جن میں اول الذکر کو الہامی اور آخر الذکر کو زردشت کے کلام کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے) زردشت کی ہستی ثابت کرنے کے لئے کافی شہادتیں ہیں، پہلوی کتابیں ان شہادتوں کی تصدیق کرتی ہیں، شاہنامہ اور "زراتشت نامہ" سے ان کی مزید تصدیق ہوتی ہے،

ب۔ یونانی شہادتیں، یونانی تاریخوں میں زردشت کے تذکرے بالتفصیل موجود ہیں، ان میں مذکور ہے کہ وہ فلسفی اور پیغمبر تھا، اور عقلِ ایرانی کا پیکر مجسم تھا، اور یہ کہ زردشت نے موبدوں کی ایک جماعت مرتب کی تھی، جو ہمیشہ مجلس شوریٰ کا کام انجام دیتی تھی، بعض یونانی مورخوں کا یہ بھی خیال ہے کہ فیثاغورث نے ان موبدوں کی شاگردی کی تھی، اور افلاطون بھی ایران جانے

والا تھا، مگر جنگِ ایران و یونان کی وجہ سے رک گیا،

ج. عربی شہادتیں، طبری اور ابن الاثیر کی تاریخوں میں مذکور ہے کہ زردشت فلسطین کا باشندہ اور حرمیا کا شاگرد تھا، وہاں سے آذربیجان ہوتا ہوا بلخ گیا، جہاں کے بادشاہ نے اس کا مذہب قبول کیا، عربی مورخین زردشت کو "مجوسیوں کا سردار" اور "دینِ مجوسی کا بانی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں،

الغرض مختلف شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ زردشت واقعی ایک شخص تھا، ابحث طلب یہ امر ہے کہ وہ کس زمانہ میں پیدا ہوا اور کہاں پیدا ہوا،

زمانہ روایاتِ مختلفہ میں حسبِ ذیل تین روایتیں قابلِ ذکر ہیں،

(۱) بعض یونانی مورخین کا خیال ہے کہ زردشت کا عہد حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے چھ ہزار سال پہلے تھا، ارسطو کی بھی یہی رائے تھی، مگر اب یہ رائے ناقابلِ تسلیم ہے،

(۲) بعض تذکرے زردشت کو گوتم بدھا کا ہمعصر قرار دیتے ہیں، بعضوں کی رائے ہے کہ زردشت "ویدی عہد" میں پیدا ہوا،

(۳) عام مورخین کی تجویز ہے کہ زردشت کا زمانہ ۶۶۰ اور ۵۸۳ ق م کے درمیان ہے، پہلوی کتابوں سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، البیرونی کے نزدیک سکندر کی وفات (۳۲۳ ق م) سے ۲۷۲ سال قبل زردشت عالمِ وجود میں آیا،

وطن زردشت کے مولد کی تعیین میں بھی اختلافِ رائے ہے، ذیل کی روایتیں مشہور ہیں،

(۱) زردشت مشرقی ایران (بلخ) میں پیدا ہوا اور وہیں اپنے مذہب کی اشاعت شروع کی،

(۲) زردشت مغربی ایران (میڈیا یا آذربیجان) میں پیدا ہوا، اور وہیں اس کے عہدِ نبوت کا آغاز ہوا،

(۳) زردشت کا مقامِ ولادت مغربی ایران تھا، مگر وہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لئے مشرق کی طرف چلا گیا، اور وہیں اس کے مذہب کو فروغ ہوا،

ان تمام روایات کے لئے شہادتیں کم و بیش موجود ہیں، یونانی اور لاطینی کتابوں سے پہلی اور دوسری دونوں رایوں کی تصدیق ہوتی ہے، لیکن عربی اور شامی مورخین قبلِ اسلام اور بعدِ اسلام دونوں متفق ہیں کہ زردشت مغربی ایران میں پیدا ہوا مگر اس کے مذہب کا نشو و نما اور فروغ بلخ میں ہوا، ژندی فارسی اور پہلوی تذکرے بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہیں،

خاندان، زردشت کے خاندان کے متعلق بھی رائیں مختلف ہیں، اکثر مورخین کی رائے یہ ہے کہ زردشت کا باپ آذربیجان کا باشندہ تھا، اور اس کی ماں رے کی رہنے والی تھی، "اوستا" اور پہلوی کتابوں میں اس کے باپ کا نام پورشف اور اس کی ماں کا نام دوغدو لکھا ہوا ہے، ایران قدیم کی بعض تاریخی کتابیں زردشت کو شاہی خاندان کا رکن بتاتی ہیں، اور اس کا سلسلۂ نسب شہنشاہِ ایران منوچہر اور غیامرث تک ملاتی ہیں،

"زردشت" کے معنی، اکثر یونانی ماہرینِ لسانیات "زردشت" کے معنی "ستارہ کی پرستش کرنیوالا" کے لیتے ہیں، شامی اور عربی علمائے ادب کی رائے میں "زردشت" کے معنی "سلطنت زرین" کے ہیں کیونکہ زر کے معنی سونا اور دست کے معنی سلطنت کے ہیں، عہدِ حاضر کے ایک انگریز مصنف ہنری کا خیال ہے کہ "زردشت کے معنی "رفیقِ آتش" کے ہیں، پارسیوں کی رائے ہے کہ "زردشت" کے معنی "سنہرا کام" کے ہیں، بعضوں کا گمان ہے کہ قدیم ایرانی زبان میں "زر" پرانا اور کہنہ" کے معنی میں اور "استرا"، "اونٹ" کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا، اس لئے "زردشت" کے معنی "پرانے اونٹ والا آدمی" کے ہوئے،

یہ لفظی اور لغوی تحقیق ہے، زردشت کا مفہوم ثانوی "حق پرست" کے مرادف ہے، جس طرح بودھا کے معنی روشن ضمیر کے لئے جاتے ہیں، اسی طرح اب "زردشت" سے "حق پرست" سمجھا جاتا ہے، قدیم ایران میں زردشت کا پورا نام "زرادسترا اسپیتاما" تھا، اور کبھی اسکو صرف "اسپیتاما" کہا جاتا تھا، اور یہ اُس

کا خاندانی نام تھا، جس کا اشارہ اوستا میں بھی ملتا ہے،

ولادت اور ایام طفولیت زردشت پیدایش کے متعلق کثرت سے بے سروپا افسانے اور قصے مشہور ہیں اور ان سب کا اعادہ کرنا صرف تضیع اوقات ہے، اس کے بچپن کے واقعات "اوستا" میں بالتفصیل مذکور تھے، مگر اب یہ حصہ ناپید ہے، اس کا خلاصہ کم و بیش پہلوی اور فارسی کتابوں میں محفوظ ہے، پس اس کے ابتدائی ایام کے بارے میں جو کچھ معلومات فراہم ہو سکتے ہیں، وہ دینکارت اور زرتشت نامہ (جو تیرھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی) سے ماخوذ ہیں،

ان کتابوں میں مذکور ہے کہ جب زردشت (۶۶۰ق م میں) پیدا ہوا تو قوائے ملکیہ نے نعرہائے مسرت اور قوائے بہیمہ نے نالہائے ماتم بلند کئے، پیدایش کے وقت چہرے پر رونے کے بجائے ہنسی تھی، اہرمن شیطان اس کی جان کے درپے ہوئے اور مختلف حیلوں سے اس کا خاتمہ کر دینا چاہا مگر بالائی قوت ہمیشہ سینہ سپر رہی، جب اس نے ساتویں سال میں قدم رکھا تو لکھنا پڑھنا شروع کیا، اس زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا اور ایک سے ایک ماہر فن تھے، دو کیتاے فن نے زردشت پر جادو کا نشانہ کیا، مگر دونوں ناکام رہے اور بری طرح فنا ہوئے،

پندرہ سال کی عمر میں زردشت مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آیا، سادگی و خاکساری اور زہد و اتقا کا نمونہ تھا، غریبوں پر رحم اور بیکسوں پر ہمدردی کرتا تھا، محتاجوں کی اعانت اور مسافروں کی خدمت کرتا تھا، قحط اور خشک سالی کے زمانہ میں صرف بنی آدم کی نہیں بلکہ وحوش و طیور کی امداد کرتا تھا وہ اس نوخیزی کی حالت میں ہمیشہ مذہبی انقلاب کی تیاری میں متفکر رہا کرتا تھا،

سن رشد بیس برس کے سن میں گھر بار چھوڑ کر وہ علانیہ راہب بن بیٹھا اور اس جستجو میں سرگردان رہتا تھا، کہ دنیا میں کون شخص سب سے زیادہ حق پسند اور ہمدرد قوم ہے، وہ نہایت صاف گو اور راستباز تھا، صاف گوئی کی مثال میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی

ایک جگہ شادی کرنی چاہی تو اس نے فوراً کہدیا کہ جب تک دولہن کو میں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لونگا، میں نکاح نہیں کرونگا، ایک مجمع عام میں زردشت نے سوال کیا کہ "تزکیۂ نفس کی سب سے بہتر کیا صورت ہے؟" تو لوگوں نے جواب دیا "غریبوں کی مدد کرنا، مویشیوں کو چارہ دینا، آتشخانوں کو گرم رکھنا، دیوتاؤں کی پرستش کرنا،" زردشت نے اول الذکر تینوں امور کی تصدیق کی، اور ہمیشہ ان پر عمل پیرا رہا، لیکن بت پرستی کی سخت مخالفت کی،

ان چند باتوں کے علاوہ زردشت کے دیگر حالات معرض خفا میں ہیں، ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ اس کا یہ وقت عموماً سیر و سیاحت اور دشت نوردی میں گذرا، بعضوں کا یہ بھی خیال ہے کہ وہ اپنے وقت کا ایک حصہ پہاڑ کے ایک غار میں گذارتا تھا، قزوینی نے اس پہاڑ کا نام "سبلان" لکھا ہے، حالت مراقبہ میں وہ مختلف معاملات پر غور و فکر کرتا تھا، کبھی دنیا کی روز افزوں مصیبت پر اور کبھی ایک جدید مذہب کی ضرورت پر تخئیل آرائیاں کرتا، بعض مورخین کا بیان ہے کہ اسی حالت تذبذب میں اس کو الہام و کشف کی ابتدا ہوئی، اور وہ اس وقت تیس سال کا تھا،

الہام کا آغاز اور دعوی نبوت جب زردشت کی عمر ۳۰ سال کی ہوئی تو خداوند عالم "اہرمزد" کی طرف سے خیر کا فرشتہ وہومان اس کے پاس آیا اور بارگاہ الٰہی میں لے گیا، اس باریابی کی کیفیت پہلوی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زردشت جب مشرقی ایران کی طرف جا رہا تھا، راستہ میں ایک بڑا دریا ملا، وہ اپنی روحانی قوت سے اسکو عبور کرنے لگا، تین حصہ عبور کرنے کے بعد اس کی نظروں کے سامنے دھواں نظر آیا، جو تھوڑی دیر بعد فرشتۂ خیر وہومان کی صورت میں ظاہر ہوا، ابتدائی گفتگو کے بعد فرشتہ مذکور اس کا لباس جسمانی اتار کر اسکو بارگاہ ایزدی میں لیگیا، ملائکہ کی ایک مجلس زیر صدارت خداوند عالم منعقد ہوئی اور مجمع میں زردشت کو خلعت نبوت عطا ہوا، اس جلوۂ ربانی کے بعد وہ تبلیغ و اشاعت کا فرمان لیکر دنیائے خاکی میں واپس آیا، گاتھا "میں بھی

اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے،

اشاعت کا آغاز اہرمزد کے حکم سے زردشت دو سال تک کفر و فسق کے سرغنوں سے مذہبی بحث و مباحثہ کرتا ہے، اور ان کو خدا کی پرستش اور شیطان کی پوجا ترک کرنے کی تعلیم دیتا ہے، خلائق کو راہ راست کی طرف بلاتا ہے اور جدید مذہب کی دعوت دیتا ہے، مگر یہ تمام کوششیں بے سود رہتی ہیں، پھر وہ بموجب فرمان باری شاہ توران (اوردیتادنگ) کے پاس جاتا ہے اور پیغام الٰہی پیش کرتا ہے، وہ خندہ پیشانی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتا ہے، مگر مذہب قبول کرنے سے صاف انکار کرتا ہے، جس کی سزا میں وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے، بعد ازاں وہ ایک حاکم وقت ویدوسٹ کو صدقہ و خیرات کرنے کی تعلیم دیتا ہے، مگر وہ انکار کرتا ہے، زردشت مایوس ہو کر پھر عالم بالا کی طرف پرواز کرتا ہے، اور اہرمزد کی خدمت میں اپنی ناکامی کا سماں کھینچتا ہے، وہاں اس کی دلجوئی کی جاتی ہے، اور اس حاکم کی تباہی کی پیشینگوئی کی جاتی ہے، چنانچہ وہ زمین پر واپس آتا ہے، اور قصبہ قصبہ اور شہر شہر "اہرمزد" کا پیغام سناتا پھرتا ہے، مگر ایک متنفس بھی مائل نہیں ہوتا، اس حالت جزع و فزع میں وہ سیستان جاتا ہے، اور غربی کے حاکم پرشات کو حق کی پرستش، باطل کا ترک اور جدید مذہب قبول کرنے کی ترغیب دیتا ہے، پرشات اول دو باتوں کو مانتا ہے لیکن مذہب قبول نہیں کرتا،

فرشتوں کی آمد اس عرصہ میں (تیسویں سال سے چالیسویں سال تک) زردشت پر ہمیشہ نور ہدایت برستا رہتا ہے، اور مختلف مقامات پر فرشتے اسکی تعلیم و ہدایت کیلئے آتے رہتے ہیں، چنانچہ چھ فرشتوں کی تشریف آوری کا ذکر پہلوی کتابوں میں ملتا ہے، اور وہ یہ ہیں،

(۱) سب سے پہلے خیر کا فرشتہ دہومان جلوہ گر ہوتا ہے، اور زردشت کو حیوانات کی نگہداشت کی تعلیم دیتا ہے، یہ جلوہ ایک پہاڑی پر ہوا،

(۲) کچھ دنوں کے بعد اس کے پاس اشادہشت آتا ہے، اور آتش خانہ کی حفاظت اسکے سپرد

کر جاتا ہے، یہ الہام ایک آتش فشاں پہاڑی پر ہوا، فرشتہ مذکور آتش کی سلطنت کا حکمران سمجھا جاتا ہے،

(۳) پھر شترا ویرا کا ظہور ہوتا ہے، اور اسکو تمام دھاتوں کی نگہبانی کی تعلیم دیتا ہے، یہ ظہور ماژندران کے کسی قصبہ میں واقع ہوا،

(۴) بعد ازاں اسپنتا آرمتی اس کے پاس آتا ہے، اور سارے ربع مسکوں کی خبرگیری اسکے ذمہ کر جاتا ہے، یہ واقعہ خواہ ارمیہ میں ہوا خواہ آذربیجان میں،

(۵) کچھ عرصہ بعد خوردست نمودار ہوتا ہے، اور اسکو پانی اور پانی کے اندر کی تمام چیزوں کی حفاظت کی تاکید کر جاتا ہے، یہ ظہور ارسیاہ کے ایک جھیل کے پاس ہوا،

(۶) سب سے آخر میں امردت حاضر ہوتا ہے اور اس کو عالم نباتات کی نگہداشت کی تعلیم دیتا ہے، یہ فخر آذربیجان کے صوبہ میں دریائے دارج کے پاس نصیب ہوا،

ان ارواح قدسی کی ہدایت کے مطابق زردشت تبلیغ و اشاعت میں سرگرم رہتا تھا، اور ہر کس و ناکس کو مذہب کی دعوت دیتا تھا، اس کا دستور تھا کہ موسم سرما میں آرام لیا کرتا تھا، جس طرح بوڑھا برسات میں سکون و راحت کا طالب ہوتا تھا، چنانچہ زردشت پر تمام الہامات و انکشافات موسم سرما میں ہوئے،

ان تمام ان تھک کوششوں کے باوجود زردشت کسی کو اپنا ہم خیال نہ کر سکا، اور کوئی اس کا مذہب قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا، دسویں سال صرف اس کے ایک عزیز میتومیا نے دین مجوسی قبول کیا، آخر مجبور ہو کر وہ پھر "اہرمزد" کی خدمت میں حاضر ہوا، اور نہایت تاسف و حسرت کے ساتھ اپنی ناکامی کی داستان بیان کی، اور کہا کہ دہ سالہ عرصہ میں صرف ایک شخص ایسا ملا، جو میرا مذہب قبول کر سکا، تو پھر آئندہ کاربراری کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ "اہرمزد" نے پرزور الفاظ میں تسکین دی، اور دو سال کے اندر مذہبی انقلاب کی پیشینگوئی کی، چنانچہ زردشت نے اہرمزد کے حکم کے مطابق

بلخ جاکر بادشاہ گشتاسپ کی خدمت میں قسمت آزمائی کرنے کا قصد کیا،

زردشت اور گشتاسپ، اس وقت بلخ میں شاہ وگدا اور خاص وعام سب لوگ اوہام پرستی میں گرفتار تھے، اور خدا کے وجود کے منکر تھے، جادو کا بول بالا تھا، اور دربار شاہی ساحروں کا تماشا گاہ بنا ہوا تھا، زردشت بلخ کی طرف روانہ ہوا، راستے میں دو سرکش حکمراں ملے، اس نے اُن کو اپنے مذہب کی دعوت دی، جسے انھوں نے نہایت بے اعتنائی کے ساتھ رد کردیا، ایرانی پیغمبر نے ان پر لعنتیں بھیجیں، قہر الٰہی نازل ہوا، آندھی اٹھی، دونوں حاکموں کو اڑا لیگئی، اور زمین وآسمان کے درمیان معلق چھوڑ دئے گئے، خلایق کا اژدحام ہوا، وحوش وطیور امنڈ آئے، پرندوں نے ان کا گوشت نوچنا شروع کیا، یہاں تک کہ ان کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کرگئیں، اور ان کی لاشیں درس وعبرت کے لئے زمین پر پڑی رہیں،

المختصر زردشت بلخ پہونچتا ہے، اور بادشاہ گشتاسپ سے گھوڑدوڑ کے میدان میں ملاقات ہوتی ہے، وہ بادشاہ کے روبرو اپنے مقاصد کا اظہار کرتا ہے، اور پیغام الٰہی پیش کرتا ہے، بادشاہ اس کے مذہب کی صداقت اور دلائل کی معقولیت سے متاثر ہوتا ہے، لیکن مذہبی گروہ اس کے دل کو جدید مذہب کی طرف سے پھیر دیتا ہے، زردشت مایوس ہوکر واپس آتا ہے، (قزوینی اور ابن الاثیر کے نزدیک یہ ملاقات دربار شاہی میں ہوئی تھی،) کچھ دنوں بعد بادشاہ ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کرتا ہے، جس میں تمام علماء وفضلاء مدعو ہوتے ہیں، مناظرہ ومباحثہ کا بازار تین روز تک گرم ہوتا ہے، ایک طرف زردشت تن تنہا، اور دوسری طرف تمام عقلاء بلخ، دوران مناظرہ میں زردشت سے ۳۳ ادق سوالات کئے جاتے ہیں، جن کا وہ کافی وشافی جواب دیتا ہے، آخرکار میدان زردشت کے ہاتھ رہتا ہے، اب بادشاہ مذہب قبول کرنا چاہتا ہے، مگر پھر وہاں کا مذہبی فرقہ حائل ہوتا ہے، اور زردشت کو ایک زبردست جادوگر ثابت کرتا ہے، کچھ لوگ اس کے کمرہ میں بلی وکتے کے

بال وناخن رکھ آتے ہیں، وہ سحر کے جرم میں گرفتار ہوتا ہے اور قید کردیا جاتا ہے،

قبول مذہب اس موقع پر ایک عجیب وغریب افسانہ گڑھا جاتا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے، کہ زردشت کی قید کے بعد بادشاہ کا مرغوب خاطر گھوڑا بے حس وحرکت ہوجاتا ہے، اور اس کے پاؤں پیٹ کے اندر چلے جاتے ہیں، ایرانی پیغمبر قید خانہ کے اندر خدائی انتقام کی خبر سنتا ہے، اور گھوڑے کو اصلی حالت پر لانے کے لئے حسب ذیل شرائط پیش کرتا ہے،

(۱) اگر بادشاہ مذہب قبول کرنے کا عہد کرے تو گھوڑے کا ایک پاؤں درست ہوجائیگا،

(۲) اگر بادشاہ اپنے شیر دل فرزند اسفندیار کو اشاعت مذہب کی غرض سے بیرونی ممالک میں دورے کو بھیجے تو گھوڑے کا دوسرا پاؤں اصلی حالت پر آجائے گا،

(۳) اگر ملکہ دین مجوسی کی حامی بھرے تو گھوڑے کا تیسرا پاؤں اپنی جگہ پر آجائیگا،

(۴) اگر بادشاہ ان تمام مفسدہ پردازوں کو قتل کرنے کا وعدہ کرے، جنھوں نے میرے (زردشت کے) خلاف سازش کی تو گھوڑے کا چوتھا پاؤں صحیح وسالم نکل آئیگا،

یہ تمام شرائط منظور کئے جاتے ہیں، اور گھوڑے کے چاروں پاؤں پیٹ سے باہر نکل آتے ہیں، یہ افسانہ اگرچہ ایک لمحہ کے لئے بھی قابل اعتنا نہیں ہے، تاہم ایک زمانہ میں ایران میں یہ ایک مسلمہ واقعہ تھا، "زرتشت نامہ" میں اس کا مفصل ذکر موجود ہے، شہرستانی نے ضمناً اسکی طرف اشارہ کیا ہے،

خلاصہ یہ کہ بادشاہ گشتاسپ دین مجوسی قبول کرتا ہے، مگر اعلان کے قبل زردشت سے چار مطالبہ کرتا ہے، اور وہ یہ ہیں،

(۱) میں اپنی عاقبت کا حال ابھی دیکھنا چاہتا ہوں اور جنت میں اپنا ٹھکانا معلوم کرنا چاہتا ہوں،

(۲) میری تمنا ہے کہ میرا جسم آہنی ہوجائے، جس پر کسی طرح کا ضرر نہ پہونچ سکے،

(۳) میرا علم ہمہ گیر ہوجائے، اور میں ماضی، حال، مستقبل سب پر عبور حاصل کرسکوں،

(۴) میں قیامت تک زندہ رہوں،

زرتشت نامہ کا بیان ہے کہ ایرانی پیغمبر ان تمام مطالبات کو منظور کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ قید لگاتا ہے، کہ یہ اوصاف کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتے، اسلئے چار مختلف اشخاص میں یہ خصوصیات پوری کیجاتی ہیں، یعنی بادشاہ کو جنت کا مقام دکھلا دیا جاتا ہے، اسفندیار کو جسم آہنی عطا ہوتا ہے، وزیر اعظم جاماسپ داناترین فاضل بن جاتا ہے، اور پشوتن غیر فانی ہو جاتا ہے،

بادشاہ کے قبولِ مذہب کا اثر

بادشاہ گستاسپ کے مذہب قبول کرنے سے زردشت کے مشن میں غیر معمولی فروغ ہوا، وہ مذہب جو ایران کے طول و عرض میں سالہاسال بے برگ و بار اور بے سروسامان چکر لگاتا رہا، اب یکایک شادمانی اور کامرانی سے ہم آغوش ہوتا ہے، اور وہ دین جس کا جہاز بحرِ ظلمات میں بلا قطب نما کے برسوں گھومتا رہا، اور آندھی اور طوفان سے ٹکراتا رہا، اب ساحلِ مقصود تک صحیح و سالم پہونچتا ہے، آناً فاناً تمام درباری بادشاہ کی پیروی میں دین مجوسی اختیار کرتے ہیں، بادشاہ سارے ایران میں اعلان کرتا ہے کہ تمام رعایا کو بلا چون و چرا جدید مذہب قبول کرنا چاہئے، اور اس کے بعد یہ مذہب ایران کا ملکی اور درباری مذہب قرار پاتا ہے،

مذہبی لڑائیاں،

تمام تذکرے متفق ہیں کہ دین زردشت کو جو فروغ ہوا وہ مادی قوت کی پشت پناہی سے ہوا، مذہب کے نام سے میدانِ جنگ آراستہ کیا گیا، شمشیریں بے نیام کیگئیں، قتل و خون کا بازار گرم کیا گیا، وعد و وعید کے ذریعہ تبلیغ کی گئی، اور مذہب کی حکومت مسلط کی گئی، خود مجوسیوں کی مقدس کتاب "اوستا" میں "غزوات مقدسہ" کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے، ان تمام کا یہاں استقصا کرنا طول عمل ہے، میں صرف اس جنگ کا مختصراً ذکر کرتا ہوں جو منکر دین بادشاہ توران ارجاسپ اور حامی دین بادشاہ ایران گستاسپ کے مابین واقع ہوئی، اور جس کا مقصد صرف جدید مذہب کی اشاعت تھا، اس جنگ کے واقعات پہلوی اور عربی ادب میں محفوظ ہیں، شاہنامہ میں تفصیل ملتی ہے،

جنگِ ایران و توران کا آغاز کم و بیش ۵۰۰ق م میں ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ ایران کے بادشاہ گستاسپ نے معاہدۂ بین الاقوامی کے خلاف پیغمبر (زردشت) کی ہدایت کے مطابق بادشاہ توران کو خراج دینا موقوف کر دیا، ارجاسپ گستاسپ کی تبدیلیٔ مذہب پر پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا، اب اور چراغ پا ہو گیا، اس نے فوراً اسکو ترکِ مذہب پر اصرار کیا، اور بصورت انکار جنگ کی دھمکی دی، فریقین کے سوال و جواب کے بعد جنگ کا اعلان ہوا، خلخ (دار السلطنت توران) سے ارجاسپ کا لشکر جرار بلخ کی طرف روانہ ہوا، اور ادھر گستاسپ کی زبردست فوج روانہ ہوئی، دونوں کا تصادم دریائے جیحون کے کنارے ہوا، دیر تک قتل و خون کی گرم بازاری رہی، لاکھوں آدمی کھیت رہے، تورانی غالب نظر آتے تھے، مگر اسفندیار کے جسم آہنی نے معجزہ کا کام دیا، میدان ایرانیوں کے ہاتھ رہا، اور تورانی بری طرح شکست کھا کر بھاگے،

اس فتح عظیم کی خوشی میں بادشاہ گستاسپ نے ایک عظیم الشان مندر اور آتشکدہ تیار کیا، اور اسفندیار کو دیگر ممالک میں مذہبی جنگ کے لئے وقف کر دیا، اور عہد کیا کہ دین مجوسی کی کامیابی کے بعد اس کے حق میں وہ تاج و تخت سے دستکش ہو جائیگا، غالباً اسی زمانہ میں وزیر ایران (جاماسپ) نے زردشت کی تعلیمات و ارشادات کو قلمبند کر کے "اوستا" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی،

کئی سال گذرنے کے بعد گستاسپ کسی امر پر اسفندیار سے ناراض ہوا، اور اسکو قیدخانہ میں ڈالدیا، جب یہ خبر بادشاہ توران کو پہونچی تو پھر تازہ فوج کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوا، کشت و خون کیا، مندر ڈھائے، اور آتشکدے سرد کر دیئے، گستاسپ سیستان گیا ہوا تھا، اس کا باپ لہراسپ تہ تیغ ہوا، اور زردشت بھی قتل ہوا، جب گستاسپ نے اس قیامت خیز طوفان کی خبر پائی تو وہ بلخ آکر میدان جنگ میں شریک ہوا، مگر ایرانی سردار قتل ہو چکے تھے، پیغمبر زردشت کی روح پرواز کر چکی تھی، لوگوں کے دل ٹوٹ چکے تھے، ہر طرف مایوسی اور ناامیدی کے سوا کچھ نہ تھا، آخر کار اسفندیار قیدخانہ سے آزاد کیا گیا

اور اس کے میدان میں اترتے ہی جنگ کا نقشہ بدل گیا، تورانی پھر ہار کر بھاگے اور فتح کا سہرا ایران کے سر رہا، بادشاہِ توران بھی مارا گیا،

دین مجوسی بزور شمشیر پھیلایا گیا واقعاتِ بالا سے ظاہر ہے کہ جنگ ایران و توران صرف مذہبی غرض سے کی گئی تھی، مروجہ خراج کی موقوفی اور جنگ پر آمادگی صرف زردشت کے حکم سے ہوئی تھی، پس اس نتیجہ تک پہونچنا مشکل نہیں کہ دین مجوسی بادشاہ گشتاسپ کی شمشیر بران کا رہینِ منت ہے، جس طرح کہ بودھ مذہب شاہ اشوکا اعظم کی مادی قوت کا ممنونِ احسان ہے، اور مسیحیت قسطنطین کے لشکر جرار کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے، بااین ہمہ آج کل کے متعصب مورخین تمام مذاہب کا ذکر چھوڑ کر صرف اسلام کو اپنے تیروں کا نشانہ بناتے ہیں، چنانچہ یہ فقرہ سخن تکیہ ہو گیا ہے، کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے، کوئی ان سے ازروے انصاف پوچھے کہ آغازِ اسلام سے لیکر اس وقت تک جب مذہبِ اسلام دنیا کے طول و عرض میں پھیل گیا، کسی بادشاہ نے کسی طرح اشاعتِ اسلام میں مدد دی؟ کیا کوئی دنیاوی سلطنت اسلام کی پشت پناہ ہوئی؟ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام ضرور تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا گیا، لیکن وہ تلوار آہنی نہ تھی بلکہ روحانی،

ایران کے باہر دین مجوسی کی اشاعت "اوستا" سے معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی ممالک بھی دین مجوسی سے سرفراز ہوئے، جن میں توران کو اولیت کا فخر حاصل تھا "گاتھا" میں تورانیوں کا خاص طریقے سے ذکر کیا گیا ہے، جو چند برگزیدہ اشخاص قیامت کے روز زردشت کی نیابت کا شرف حاصل کرینگے، انمیں ایک تورانی بھی ہوگا، جس کا نام اسونٹ تھا، اسفندیار کی تبلیغ و اشاعت کا ذکر شاہنامہ میں موجود ہے، ہندوستان بھی جدید مذہب کے فیض سے مستفیض ہوا، اس سلسلہ میں ایک برہمن (کنگرا کاچھ) کا قصہ عموماً بیان کیا جاتا ہے، کہ وہ ہندوستان سے ایران صرف اس غرض سے گیا تھا کہ دین مجوسی کو دلایل و براہین کے ذریعہ سے باطل ثابت کرے، مگر بحث و مباحثہ کے بعد وہ خود قائل ہو کر مجوسی ہو گیا، زردشت نامہ

بازدو (جس کی زرتشت نامہ ایک مشہور کتاب ہے) نے اس واقعہ کو منظوم کر دیا ہے، یہ برہمن تبدیلِ مذہب کے بعد دین مجوسی کی اشاعت میں سرگرم کار رہا، یہانتک کہ اسّی ہزار ہندوستانی مجوسی ہو گئے، اس خبر کو سن کر ہندوستان کا ایک دوسرا باکمال بیاسا، بلخ پہونچا، کہ دین زردشت کی تردید کرے، مگر وہ بھی اس قدر مرعوب ہوا کہ لاچار اسے بھی سرِ تسلیم خم کرنا پڑا، اور جدید مذہب قبول کرنا پڑا،

یہ قصے افسانوں سے زیادہ وقیع نہیں معلوم ہوتے، کیونکہ قدیم کتابوں میں ان کا ذکر نہیں، قیاس یہ ہے کہ ہندوستان میں پارسیوں کے قیام کے بعد عقیدتمندوں نے یہ قصے گڑھ لئے،

پہلوی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یونان پر بھی زردشت کا قدرے اثر تھا، "دساتیر" سے معلوم ہوتا ہے کہ یونان کے فلسفیوں نے توتیانوش کو اپنا نمایندہ بنا کر زردشت کے پاس بحث و مباحثہ کرنے کے لئے بھیجا، خدائی قوت نے قبل ہی سے زردشت کو اسکے اعتراضات اور انکے جوابات سے واقف کر دیا تھا، جب یونانی فلسفی نے اپنے تمام اعتراضات کا معقول جواب پایا تو وہ بھی سلسلۂ زردشتی میں داخل ہو گیا، بعد ازاں اس نے تبلیغ کی خدمت اپنے ملک میں بحسن و خوبی انجام دی، اور بہتیرے یونانی مجوسی بن گئے، بعض کتابوں میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ افلاطون اور دیگر فلاسفۂ یونان زردشت کے زیرِ اثر تھے، بعضوں کا خیال ہے کہ متذکرۂ بالا یونانی نمایندہ کا نام فیثاغورس تھا،

زردشت کے کرامات شہرستانی (۱۰۸۶ء - ۱۱۵۳ء) نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ زردشت کو ایک روز راستہ میں ایک نابینا شخص سے ملاقات ہوئی، اس نے ایک پودے کا عرق اسکی آنکھوں میں ڈالا، اور وہ فوراً بینا ہو گیا، "وندیداد" میں اس قسم کے کرامات اور خوارقِ عادات بکثرت مذکور ہیں، ان بیانات سے بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ زردشت کو طب، نجوم، علم ہیئت اور تمام سائنٹفک علوم میں دسترس تھی، وہ ایک طرف ساحروں اور جادوگروں پر غلبہ حاصل کرتا تھا، اور دوسری طرف اپاہجوں اور مریضوں کو شفا بخشتا تھا، "زرتشت نامہ" میں لکھا ہوا ہے کہ زردشت نے اپنی بالائی قوت سے اپنے مذہب کا

مستقبل ملاحظہ کرلیا تھا، اور مسیح علیہ السلام کے آمد کی پیشینگوئی کی تھی،

آتشکدہ جب زردشت اپنے مقاصد میں کماحقہ کامیاب ہوگیا، اور اس کے نام لیواؤں کی تعداد لاکھوں تک پہونچ گئی، تو اس نے آتشکدہ کے قیام کی طرف توجہ کی، بادشاہ گستاسپ نے اس کی ہدایت کے مطابق ایران کے تمام بڑے شہروں میں آتشکدہ کی بنیاد ڈالی، جہاں شب و روز مقدس آگ مشتعل رہا کرتی تھی، "اوستا" میں ان آتشکدوں کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے،

عام مسلم مورخین کا بیان ہے کہ زردشت کے ظہور کے قبل بھی بعض مقامات میں آتش پرستی کا رواج تھا، مسعودی اور شہرستانی نے دس آتشکدوں کا ذکر کیا ہے، جو زردشت سے پہلے مختلف مقامات میں موجود تھے، بہرحال زردشت نے اپنے اہتمام سے دو شاندار معبد تیار کرائے، اور اس کے حکم سے بادشاہ گستاسپ نے متعدد عبادتگاہیں تعمیر کرائیں، ہر عبادتگاہ میں آتشکدہ کا ہونا لازمی تھا، تین آتشکدے بہت مشہور تھے، جو عہد ساسانی میں تین قومی جماعتوں کے مظاہر سمجھے جاتے تھے (۱) ایک "آذر فرنبگ" تھا جو مذہبی پیشواؤں کے لئے مخصوص تھا، یہ خراسان میں آباد تھا، اور سب سے زیادہ قدیم اور مقدس تھا، (۲) "آذر گستاسپ" تھا جو سپاہیوں اور فوجی لوگوں کیلئے مختص تھا، یہ آتشکدہ فرشتۂ آتش کے حکم سے گستاسپ کو جدید مذہب کی طرف مائل کرنے کے لئے تعمیر ہوا تھا، یہ ارمیہ جھیل کے قریب واقع ہوا تھا، (۳) تیسرا "آذر برزین مزد" تھا جو مزدور پیشہ جماعت کے لئے نیشاپور کے پچھم ایک قصبہ میں تعمیر ہوا تھا،

زردشت کی وفات یونانی اور لاطینی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح زردشت کی زندگی غیر معمولی تھی، اسی طرح اس کی موت بھی خلاف دستور واقع ہوئی، امپدوقلس کی وفات کے بارے میں فضلائے یونان کا خیال ہے کہ آسمان سے بجلی یا آتش قدسی اس کے خرمن حیات پر گری اور وہ جان بحق تسلیم ہوا، یہی خیال بعض یونانیوں کا زردشت کے متعلق بھی ہے، لیکن بعض اہل یونان کی رائے ہے کہ زردشت صرف ایک نجومی تھا، اور میدان جنگ میں آسمانی تیر کا شکار ہوا تھا، وہ اسکی

موت کو غضب الٰہی کا ایک کرشمہ سمجھتے تھے،

اس کے مقابلہ میں ایرانی تواریخ تقریبًا متفق اللفظ ہیں کہ زردشت نے ۵۸۳ ق م میں ۷۷ سال کی عمر میں نبوت کے سینتالیسویں سال وفات پائی، خواہ یہ وفات بلخ کے میدان جنگ میں ہوئی خواہ کسی اور جگہ، پہلوی کتابیں عمومًا اول الذکر صورت کو ترجیح دیتی ہیں، شاہنامہ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ جب تورانیوں نے ایران پر حملہ کیا اور پایۂ تخت بلخ کو تہ و بالا کر کے تمام مندروں اور عبادتگاہوں کو ڈھا دیا تو براتیروک رِش نے زردشت کو قتل کر دیا، تقریبًا تمام فارسی تذکرے اسی بیان کا اعادہ کرتے ہیں،

واقعات بعد وفات، "دینکارت" میں مذکور ہے کہ زردشت کی وفات کے بعد بھی بادشاہ گستاسپ پر رحمت خداوندی کا سلسلہ جاری رہا، اور مذہب کو روز افزوں ترقی ہوتی رہی، مصنف کی عقیدتمندی نے ایک افسانہ بھی اختراع کیا ہے، یعنی سرتیو کی روح نے جو ایران کا بہت مشہور پہلوان تھا، اور جو صدیوں پہلے مرچکا تھا، بادشاہ مذکور کی خدمت میں ایک عجیب و غریب گاڑی پیش کی، جو آناً فاناً دو حصوں میں منقسم ہوگئی، ایک جسمانی اور دوسرا روحانی، جسمانی گاڑی میں بادشاہ نے بنفس نفیس دنیائے خاکی کی سیر کی، اور روحانی گاڑی میں اسکی روح نے عالم بالا کی سیر کی،

اس افسانہ سے قطع نظر اکثر مورخین کا بیان ہے کہ زردشت کی موت کے بعد دین مجوسی نے دس سال کے اندر دور دراز ممالک میں اپنا سکہ بٹھا دیا، سات مختلف ممالک نے اسے اپنا درباری مذہب قرار دیا، اور ایران کی مختلف آبادیاں ایک مذہبی رشتہ میں منسلک ہوگئیں، یہ تسلط و غلبہ حملۂ سکندری تک جاری رہا، سکندر کے سفاکانہ حملوں نے نہ صرف حکومت ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی، بلکہ وہاں کے مذہب، تمدن اور معاشرت کو بھی درہم برہم کردیا، مذہبی کتابیں جلادی گئیں، آتشخانے سرد کردئے گئے، علمبرداران دین مجوسی بیرحمی کے ساتھ تہ تیغ کئے گئے، اس حادثۂ جانکاہ

کے بعد پھر دین مجوسی اُبھرنے نہ پایا، اگرچہ عہد ساسانی کے خاتمہ تک ایران کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک آتشکدے آباد تھے، اور مجوسیوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی، لیکن یہ جو کچھ تھا، بے جان کا قالب تھا، روح پرواز کر چکی تھی،

جب ایران عربوں کے زیر نگین ہوا، تو یہ ظلمت و تاریکی کا بادل ہمیشہ کے لئے صاف ہو گیا، اور سارے ملک میں آتش پرستی کے بجائے خدائے واحد کی پرستش ہونے لگی،

دین زردشت کے اعتقادات، ساسانی عہد کی "اوستا" آج کل ناپید ہے، اس کے اکیس حصوں میں صرف ایک حصہ موجود ہے، جو "وندیداد" کے نام سے موسوم ہے، زردشت کے ارشادات لفظی بھی اپنی حالت میں محفوظ نہیں ہیں، اس لئے دین مجوسی کے اعتقادات و عبادات کی تشریح کرنا محال بلکہ ناممکن ہے، مختلف تذکروں میں ضمناً مذہبی عقائد کے حوالے ملتے ہیں، ان کا ماحصل بلکہ خاکہ پیشکش کرتا ہوں،

(۱) نظامِ عالم دو خداؤں کے ہاتھوں میں ہے، ایک نیکی کا خدا ہے جو "اہر مزد" کہلاتا ہے، اور دوسرا بدی کا خدا ہے جو "اہرمن" کہلاتا ہے، اول الذکر کو ناپسندیدہ اور قبیح امور سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور آخر الذکر کو خوش آیند اور مستحسن افعال میں کسی طرح کا دخل نہیں، دونوں کی مخلوقات الگ الگ ہیں،

(۲) زرادسترا اسپتاما (یعنی زردشت) خدائے خیر "اہر مزد" کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے، جن کے ہاتھوں متعدد معجزے اور کرامات ظہور ہوئے،

(۳) "اوستا" ایک مقدس کتاب تھی، جو پیغمبر زردشت پر اہر مزد کی طرف سے نازل ہوئی اور جس میں اعتقادات، ارشادات احکام، فرمان اور طریقۂ نجات وغیرہ وغیرہ درج تھا، مگر اب کثیر حصہ ناپید ہے)

(۴) خیر و شر ہر دو کے دو حصے ہیں، ایک جسمانی اور دوسرا روحانی، خیر کے ہر دو حصوں کا مالک کل اہر مزد ہے، اور شر کے دونوں حصوں کا افسر اعلیٰ اہرمن ہے، ان دونوں میں عموماً جنگ و جدال ہوا کرتا ہے، اور گاہے گاہے ایک عظیم الشان میدانِ جنگ قایم ہوتا ہے، اور فریقین اپنی فوجوں کے ساتھ

برد آزمائی کرتے ہیں، ایک صف میں ملائکۃ المقربین، نیک خصال انسان، بے ضرر حیوانات، چرند و پرند، منفعت بخش درخت اور پودے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور دوسری صف میں شیطان لعین، بدکردار انسان، خوفناک جانور، بھوت پریت اور نقصان دہ درخت وغیرہ ہوتے ہیں، گھمسان لڑائی ہوتی ہے، اور آخر کار بدی کے خیر کو فتح ہوتی ہے؛

(۵) دنیا بحیثیت مجموعی خیر کی دنیا ہے، کیونکہ نیکی کا خدا عموماً بدی کے خدا پر غالب رہتا ہے، اسلئے دنیا سے لطف اندوز ہونا چاہیے، اور ہر وہ کام کرنا چاہیے، جس سے انسان کو فائدہ اور عافیت ہو،

(۶) موت کے بعد عالم جزا و سزا واقع ہوگا، اور بھلوں کو ثواب اور بروں کو عذاب ملیگا، (مگر یہ نہیں معلوم کہ وہاں دو خداؤں کی کشمکش میں اعمال و افعال کا محاسبہ کس طرح ہوگا، اور جزا و سزا کا معیار کیا ہوگا؟)

"اوستا" اوپر بیان ہوا کہ اوستا کا صرف ایک مختصر حصہ "وندیداد" موجود ہے، اس کے حسب ذیل پانچ ابواب ہیں،

(۱) "یسنا" اس میں اوراد و اذکار ہیں جن میں مختلف فرشتوں اور مقدس ہستیوں کو مخاطب کیا گیا ہے اس میں وہ رسم و طریقہ بھی درج ہے جو دین زردشت قبول کرتے وقت ضروری ہے، "گاتھا" (یعنی زردشت کے زبانی ارشادات) اسی میں شامل ہیں،

(۲) "ویسپرڈ" یہ متعدد احکام و فرمان کا مجموعہ ہے، اور یہ عموماً "یسنا" کے ساتھ پڑھی جاتی ہے،

(۳) "وندیداد" شیطانوں اور بھوت پریت کے خلاف قوانین اس میں درج ہیں، مذہبی پیشواؤں کے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے طریقے بھی مذکور ہیں، اس میں "اہر مزد" کے مخلوقات اور "اہرمن" کے مخلوقات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے،

(۴) "یشتا" اس میں بھی اوراد و وظائف ہیں، جو فرشتوں کو مخاطب کرنے کیلئے بیان کئے گئے ہیں، مہینہ کے تیس دنوں میں ہر دن ایک نیا فرشتہ معاملات دنیاوی کی سرپرستی اختیار کرتا ہے، اور اسی فرشتے کے نام سے وہ دن موسوم ہے، ان فرشتوں کو متوجہ کرنے کیلئے یہ وظایف ہیں،

(۵) "خردہ اوستا" یہ ایک دعا کی مختصر کتاب ہے، (جو شاہپور دوم کے عہد میں لکھی گئی) جس میں اول الذکر چاروں کتابوں سے کچھ اقتباس بھی کیا گیا ہے، اسکی دعایں اجرام فلکی کو مخاطب کرتی ہیں،

صاحب اورنگ آبادی

از

جناب سید تمکین کاظمی صاحب، حیدرآباد دکن

لالہ لچھمی نراین شفیق کی ہستی محتاجِ تعارف نہیں، معارف بابتہ ماہ ستمبر ۲۶ء میں انکی ایک تاریخ "بسائط الغنائم" پر مورخ مشہور "صدر الصدور خافی خان" کا ایک بسیط مضمون طبع ہو چکا ہے، علاوہ ازیں انجمن ترقی اردو کے ترجمان "رسالہ اردو" میں مستقل عنوان "بادۂ کہن" کے تحت جولائی ۲۶ء اور جنوری ۲۷ء کے رسائل میں بھی کچھ کلام طبع ہوا ہے، مسجد چوک کے سہ ماہی مجلہ "تجلی" میں مثنوی تصویر جاناں" اور تذکرہ چمنستانِ شعرا" پر بسیط مضمون لکھے جا چکے ہیں، اب ہم صرف لچھمی نراین کی اردو شاعری کو پیش کرنا چاہتے ہیں،

لالہ لچھمی نراین کے اجداد پنجاب کے کھتری اور ملازم پیشہ تھے[1]، عالمگیر کے ساتھ ان کے دادا لالہ بھوانی داس دکن آئے، اور اورنگ آباد میں قیام کیا، لالہ منسا رام اورنگ آباد ہی میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم و تربیت پائی اور نواب آصف جاہ اول کے پیشکار مقرر ہوئے، ان کی کئی ایک کتابیں ہیں، من جملہ انکے "قانونِ دربارِ آصفی" بہت مشہور ہے[2]،

لالہ لچھمی نراین منسا رام جی کے گھر ۲ صفر ۱۱۵۸ھ میں تولد ہوئے[3]، ہوش سنبھالا تو علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کا شہرہ سن کر اسی آستانہ کا رخ کیا، علامہ موصوف ہی سے کتب درسیہ تحصیل کیں، اور فن شاعری سے بھی کماحقہ واقفیت حاصل کی، صمصام الدولہ بہادر کی سرفرازی سے منصب اور دولی چند "خطاب بھی پایا"، ایک دکنی تذکرہ نویس کا خیال ہے کہ

[1] تذکرہ شعرائے دکن لکھاپوری ج اول [2] ایضاً [3] تذکرہ چمنستان شعرا (شفیق) [4] تذکرہ شعرائے دکن لکھاپوری،

"جو کچھ لکھتا ہے نہایت تحقیق کے ساتھ لکھتا ہے، جس شخص یا جس چیز کی حالت اگر لکھتا ہے تو پورا پورا اس کا مالہ و ماعلیہ صاف صاف بیان کر دیتا ہے، شفیق کو یہ لیاقت آزاد کی توجہ و عنایت کی بدولت حاصل ہوئی تھی، دکن میں اگرچہ آزاد کے اکثر تلامذہ صاحب تالیف ہیں لیکن شفیق ارشد تلامذہ سے ہے"

(تذکرہ شعرائے دکن لکھاپوری جلد اول ص ۱۰۸)

لالہ لچھمی نراین بھی اس کے معترف تھے، علامہ آزاد کو نہ صرف استاد بلکہ ہادی اور آقا بھی تصور کرتے تھے، ایک جگہ لکھتے ہیں، ؎

لامکان است مقامِ آزاد
فوقِ عرش است خرامِ آزاد

سبحہ گردانِ زکواکب ہر شب
رہبرے ہست بنامِ آزاد

خرمنِ ہستیٔ اعدا سوزد
برقِ رخشانِ حسامِ آزاد

در گلستانِ جہاں ہر گل و خار
موردِ رحمتِ عامِ آزاد

جدِّ او ساقیٔ کوثر باشد
آبِ خضر است بجامِ آزاد

گل شود گوش ہمہ تن بچمن
کہ برد باد بپیامِ آزاد

پیشِ آئینہ ضمیراں طوطی
میکند وصف کلامِ آزاد

اے خداوندِ جہاں باد مدام
ساغرِ عیش بکامِ آزاد

صاحبِ ہر دو جہان است شفیق
ہر کہ گردید غلامِ آزاد

ابتداءً لالہ جی صاحب تخلص کرتے تھے مگر علامہ آزاد نے اسے پسند نہیں فرمایا، چمنستان شعرا میں لکھتے ہیں،

"در عمر یازدہ سالگی بخدمت قبلہ برحق حضرت شیخ عبدالقادر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کتب متعارفہ سند کردہ، از سواد و بیاض واقف گردید شعر را دوست میداشت و بسلک تلامذۂ قبلۂ دین و دنیا حضرت میر غلام علی آزاد مدظلہ در آمد میر عبدالقادر مہربان کہ یکے از بہرہ یابانِ آنجناب است تخلص صاحب قرار دادہ، دیوانِ غزلیات مردّف قریب دو ہزار بیت مرتب ساخت چون دریں ولا قدرے حیثیت پیدا کرد باصطلاح شعرا و قواعد شعر ماہر گردید ساختہ و پرداختہ بائے را محض تقویم پارین دیدہ یک قلم بر ہمہ ہا خط کشید الحال کہ سال ہژدہ از عمر گذشتہ باشد چون مطلع شد کہ میر محمد مسیح صاحب تخلص در فارسی گذشتہ است، بجناب فیضمآب حضرت میر صاحب قبلہ التماس تخلص نمود، آنجناب از راہِ شفقت تخلص شفیق عنایت فرمودند لیکن از آنجا کہ ریختہ جات نقیر در اینجا بعوام و خواص اشتہار یافتہ، صاحب تخلص در ریختہ قرار داشتہ شد و بعضی بحور کہ شفیق نمی گنجد ناچار تخلص صاحب آوردہ میشود، تاریخ مرحمت تخلص "تخلص نو" یافتم و مصرع دیگر از دہم اعداد سنہ و سال مستخرج میشوند، قطعہ نمودم، ؎

از حضرتِ فیض بخشِ آزاد	گردید مرا تخلص انعام
گفتم تاریخ این عنایت	امداد شفیق شد مرا نام

نہ جانے علامہ آزاد نے کس شفقت سے شفیق تخلص مرحمت فرمایا تھا کہ صاحب کی ایک پیش نہ گئی، اور شفیق ہی مشہور ہو کر رہا، فارسی کلام سے زیادہ ان کا اردو کلام موجود ہے، جس میں صاحب تخلص کیا ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ فاضل مدیرِ اردو بھی نرائن کا تعارف اردو کے شاعر کی حیثیت سے کراتے ہیں اور ریختہ نقل کرتے ہیں مگر تخلص وہی شفیق پیش کیا جاتا ہے،

صاحب کی تصانیف کی فہرست بہت طویل ہے، کل تیرہ، چودہ کتابیں ہیں، جن کا تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے،

(۱) "چمنستانِ شعرا" یہ تذکرہ اردو شعرا کا ہے، نام تاریخی (۱۱۷۵ھ) ہے چنانچہ خود لکھتے ہیں ؎

این نامہ را باید دیدن	کردم انشا حالِ فصحا
نام و تاریخش را صاحب	گفتم "چمنستانِ شعرا"

دیباچہ میں وجہِ تالیف یہ ظاہر کی ہے کہ میر محمد تقی میر اور فتح علی خان گردیزی کے تذکرے جب نظر سے گذرے تو انھیں یہ خیال ہوا کہ یہ دونوں تذکرے نایاب و کمیاب ہیں لہذا ان دونوں تذکروں کو پیش نظر رکھ کر ایک اور تذکرہ ترتیب دیا جائے، جو کہ اہل دکن کے کام آسکے، چنانچہ ان دونوں تذکروں کے علاوہ علامہ آزاد بلگرامی کے تذکرہ "سروِ آزاد" کو بھی پیش نظر رکھ کر اپنے معلومات کا اضافہ کیا ہے "تذکرہ فتح علیخان میں ۹۴ اور میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعرا میں ۱۰۲ شعرا کا حال ہے، اور چمنستانِ شعرا میں تقریباً ۲۰۰ شعرا کا حال ہے،

عبارت صاف اور شستہ طرزِ تحریر دلکش اور اسلوبِ بیان عمدہ ہے، حتی الامکان شرح و بسط کے ساتھ حالات نقل کئے ہیں، انتخابِ کلام میں بھی سلیقہ سے کام لیا گیا ہے، تلاش و تفحص بھی کیا ہے، اس کا صرف ایک نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں فن تذکرہ کے تحت ۷۷ء پر موجود ہے، جسے پیش نظر رکھ کر ہم نے ایک مفصل مضمون رسالہ تجلی بابت اکتوبر ۲۸ء میں لکھا ہے، اس تذکرہ کو انجمن ترقی اردو شائع کرنے والی ہے، خدا کرے جلد شائع ہو،

(۲) "گلِ رعنا"[۱] یہ شعرائے سندھ کا فارسی تذکرہ ہے، جو ۱۱۸۱ھ میں ترتیب دیا گیا ہے، تاریخِ تصنیف اس طرح لکھی ہے،

نوکِ قلم لآلیٔ بحرِ سخنوران	از قومِ مسلمین و فریقِ ہنود سفت
تاریخِ این صحیفۂ رنگین سحر گہے	از باغ طبع سرزدہ "رعنا گلے شگفت"

۱۱۸۱ھ

(۱) فہرست کتب خانۂ ملا فیروز ص ۱۶۱، ۱۲۱ و ۱۲۲ دو جلد،

اس تذکرہ کو اپنے استاد علامۂ آزاد کے نام سے معنون کیا ہے، دیباچہ میں زبان فارسی کی تاریخ بھی لکھی ہے، ذیل کے تذکروں کے نام بھی گنائے ہیں، جو پیش نظر تھے،

۱۔ ریاض الشعرا (والہ داغستانی) ۲۔ مردم دیدہ (حاکم لاہوری) ۳۔ مراۃ الخیال (شیر خان لودھی) ۴۔ تذکرۂ بے نظیر (عبدالوہاب دولت آبادی) ۵۔ تذکرۂ خوشگو ستر ائی ۶۔ سرو آزاد (آزاد بلگرامی) ۷۔ خزانۂ عامرہ (آزاد بلگرامی) ۸۔ ید بیضا (آزاد بلگرامی) ۹۔ مجمع النفائس (سراج الدین علی خان آرزو) ۱۰۔ ہمیشہ بہار (محمد علی خان) ۱۱۔ کلمات الشعرا (سرخوش)

اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں (فن تذکرہ ۱۹۳) ہے، جو صرف حرف الف تک ہے، سائز فلسکیپ اور ایک ہزار صفحات ہیں، خدا جانے پورا ہوتا تو کتنے لاکھ صفحات ہوتے! اسکے کسی مکمل نسخہ کا پتہ نہیں چلتا، متحف برطانیہ میں بھی ایک نسخہ ہے، جو انتخاب ہے،

۳۔ "مثنوی تصویرِ جانان" یہ اردو مثنوی ہے جو ۱۱۸۹ھ میں لکھی گئی ہے، ۲۷ شعر اردو میں کہے ہیں، صرف سراپا ۳۴۳ شعر میں ختم ہوا ہے، حق تو یہ ہے کہ غضب کا سراپا کھینچا ہے، اس کا ایک نسخہ جناب یافعی صاحب کے پاس بھی موجود ہے، اور ان کا ایک مفصل مضمون رسالہ "تجلی" بابت ماہ جنوری ۱۹۲۹ء میں طبع ہو چکا ہے،

۴۔ نخلستان[1] "یہ ایک تاریخ ہے، جو ۱۱۹۱ھ میں لکھی گئی ہے، افسوس ہے کہ اسکا کوئی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گذرا،

۵۔ "تنمیقِ شگرف" یہ ایک تاریخ ہے جو ۱۲۰۰ھ میں لکھی گئی ہے، صوبہ جات ہند کے اعداد و شمار کے بعد فتوحاتِ دکن اور پھر سلطنت بہمنیہ، عادلشاہیہ، نظام شاہیہ، عماد شاہیہ، قطب شاہیہ، فاروقی برید شاہی کے حالات، طوائف الملوکی، اور سلاطینِ تیموریہ کا حال لکھا ہے، اس کا ایک نسخہ "دفترِ ہند" (انڈیا

[1] ملا فیروز کے کتب خانہ واقع بمبئی میں ص ۲۴۴ پر اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

آفس) میں موجود ہے،

۶۔ حقیقت ہائے ہندوستان، یہ نام تاریخی ہے جس سے ۱۲۰۴ھ برآمد ہوتا ہے، ۱۲۰۴ھ میں صاحب کے دادا نے ایک گوشوارہ ترتیب دیا تھا، جسکو پیش نظر رکھکر انھوں نے یہ نسخہ ترتیب دیا، اسکی تقسیم چار مقالوں پر ہوئی ہے، مقالۂ اول میں دفترِ قدیم کے حالات اور گوشوارہ ہے، مقالۂ دوم صوبہ جات ہند کے حالات سے مملو ہے، مقالۂ سوم صوبہ جاتِ دکن تک محدود ہے، مقالۂ چہارم میں ان بادشاہوں کا ذکر ہے جنھوں نے ۱۲۰۴ھ تک ہندوستان پر حکومت کی، اس کا ایک نسخہ "متحف برطانیہ" میں اور ایک "دفترِ ہند" میں موجود ہے، کتبخانۂ آصفیہ میں یہی ایک نسخہ جو کاتب کی چابکدستی سے کسی قدر متغیر ہو گیا ہے "خلاصۃ الہند" کے نام سے فن تاریخ میں ۵۰۵ پر موجود ہے، جو ۱۲۵۳ھ کا منقولہ ہے،

۷۔ "مآثر آصفی" یہ کتاب ۱۲۰۸ھ کی تصنیف ہے، اسمیں دولت آصفیہ کی تاریخ، مرہٹوں کے حملے اور ۱۲۰۸ھ تک کے امرا اور روسائے دکن کے حالات ہیں، اسکی ایک جلد "دفترِ ہند" میں بھی موجود ہے،

۸۔ "دیوانِ حسب صفا" یہ دیوان ۱۲۱۰ھ میں مرتب ہوا ہے، انعام اللہ یقین کے دیوان کو پیش نظر رکھکر انکی ہر ایک غزل پر غزل کہی ہے، کوئی غزل پانچ شعر سے زیادہ کی نہیں، آخر میں ایک قطعہ کہا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یقین کی ایک سو ستر غزلوں یا ۸۵۰ شعروں کے جواب میں اتنے ہی شعر کہے ہیں،

قطعہ

شاہِ ملک سخن ستودہ جناب	نام جس کا یقینِ نیک صفات
جتنے یقیں کے نام کے ہیں	اتنی ہے ریختی صفا کے ساتھ
ایک دیوان ہے نپٹ شیرین	جسکی لذت ہے مثل قند و نبات
یعنی وہ کل ہیں ایکسو ستر ۱۷۰	آٹھ سو پر پچاس ہیں ابیات ۸۵۰
اتنے ہیں ریختے کہے میں نے	جس قدر میرے پر ہوے اثبات

کل کتابت پہ دونو دیوان کی ۔۔۔ ایک ہزار اور سات سوابیات

ختم کراب یہ گفتگو صاحب ۔۔۔ سرور انبیا پہ بھیج صلات

دل نے تاریخ بھی کہا اُس کی ۔۔۔ صاحب ناقص و یقیں کے نکات

اس دیوان کا ایک نسخہ محبی مولوی عمر الیافعی کے پاس موجود ہے، جسکی نقل اس وقت ہمارے پیش نظر ہے،

۹۔ "حالات حیدر آباد" یہ ۱۲۱۴ھ کی تصنیف ہے، حیدر آباد کے تاریخی عمارات کے مختصر حالات لکھے ہیں، اور اپنی دوسری کتابوں سے بھی مدد لی ہے،

۱۰۔ "بسائط الغنائم" نام سے تاریخ تصنیف (۱۲۱۴ھ) نکلتی ہے، اسکی ترتیب ۱۲۱۴ھ سے شروع ہوکر ۱۹ جمادی الثانی ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء کو ختم ہوئی ہے، دراصل یہ کسی مرہٹی یا ہندی تاریخ کا ترجمہ ہے، مرہٹوں کے تفصیلی حالات لکھے ہیں، معارف بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۲۷ء میں "مرہٹہ ہیرو" کے عنوان سے ایک مضمون "مورخ مشہور خافی خان صدر الصدور" کا اس کتاب کے متعلق طبع ہو چکا ہے، خان صاحب نے اس کتاب کا نام "بساط الغنائم" بتلایا اور اسی سے ۱۲۰۰ء تاریخ نکالی ہے دراصل یہ صحیح نہیں ہے،

غلام حمدانی صاحب گوہر نے اسکو "خیابان مرہٹہ" کے نام سے ۱۳۱۴ھ میں چھپوایا تھا، اب تک اس کے نسخے فروخت ہو رہے ہیں،

۱۱۔ "تحفۃ الاحباب" صاحب نے ذکا، پروانہ، درد، خان تمنا، نظام، بیان، ممتاز، مزمل، ارشاد، فرخ، ہمدم، ایما، ہمت، آصف، میر، جرات، سودا، سخن، یقین، شگفتہ، ماہ، ایجاد، افدوی، مظہر، عزت، سراج، آبرو، قایم، اقدس، ولی، حاتم وغیرہ کی غزلوں پر غزلیں لکھکر اس بیاض میں جمع کی ہیں، تو اس پر کوئی سنہ ہے، نہ زمانہ کا تعین کیا جا سکتا ہے، اسمیں بعض غزلیں ایسی بھی ہیں، جو دیوان میں لکھی گئی ہیں، اس کا ایک نسخہ محبی مولوی عمر الیافعی کے پاس موجود ہے، جو اسوقت ہمارے پیش نظر ہے،

لہ تاریخ بسائط الغنائم در ذکر نمود مرہٹہ کے نام سے لائبریری کے کتبخانے واقع بمبئی میں ۸۵ اور صفحہ ۳۰ پر ایک نسخہ موجود ہے (انڈکس)

۱۲۔ "مآثر حیدری" اس کتاب کا نام ہی نام سنا جاتا ہے، نہ تو کسی کتبخانے میں موجود ہے، اور نہ کسی نے دیکھی ہے، غالباً ٹیپو سلطان یا اس کے خاندان کی تاریخ ہوگی،

۱۳۔ "تذکرہ گرو بابا نانک" افسوس ہے کہ اس کتاب کے متعلق بھی کچھ معلومات نہ ہو سکے،

۱۴۔ "شام غریبان" اس کتاب کا پتہ بھی کسی جگہ نہیں چلتا، "دکن کے شمس المورخین" نے رسالہ تاریخ بابت ماہ جولائی ۱۹۲۸ء میں "مورخین ہند" پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے تحقیق کی کتاب "حقیقت ہائے ہندوستان" کا تذکرہ بھی کیا ہے، اور اسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ

"گل رعنا اور شام غریبان فارسی شعراء کے تذکرے ہیں"

مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کتاب کا وجود بھی دنیا میں ہے یا نہیں،

حال ہی میں یافعی صاحب کو کلیات قطب شاہ (مصور) کے ساتھ لچھمی نرائن کے تذکرہ چمنستان شعرا کا انتخاب بھی ملا ہے، جو ایک نفیس چیز ہے،

"دکن میں اردو" کے مرتب نے صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ

"فارسی کے باکمال شاعر تھے، کبھی کبھی اردو میں طبع آزمائی کی ہے"

حالانکہ نسبتہً فارسی کے ان کا اردو کلام ہی زیادہ اور عمدہ ہے،

اب ہم "دیوان حسب" اور "تحفۃ الاحباب" سے چند شعر نقل کرتے ہیں جنکے ملاحظہ سے خود حسب کی طبیعت کا پتہ چل جائیگا،

لالہ جی تھے تو ہندو مگر اسلام سے اس قدر قریب تھے کہ ان پر "مسلمانیت" کا دھوکا ہوتا ہے، نہ صرف اسلامی تاریخ ہی سے واقف تھے بلکہ عام اصول اور معتقدات بھی جانتے تھے، رسالہ اردو بابتہ ماہ جولائی ۱۹۲۷ء میں "ایک معراج نامہ منظوم" طبع ہوا ہے، جسے پڑھکر حیرت ہوتی ہے،

کہ اے مطرب مبارکباد کو گا ۔۔۔ کہ ہے یاں وصل کی شب کا تو چرچا

طنبورے کے ملا اس طور سے تار ۔۔۔ کہ فرق تال و سُر اٹھ جائے اکبار

عجائبات تھی اک نور افشان
کہ ہر کوکب تھا اک مہر درخشان

کہوں گر رات اسکو ہے تامل
کہوں گر دن تو عالم میں پڑے غل

نہ تھی وہ رات اور دن بھی نہاں تھا
میانِ روز و شب اور ہی سماں تھا

عجب کچھ نور تھا عرشِ بریں پر
قیامت نور تھا فرشِ زمیں پر

غلط میں نے کہا استغفراللہ
زمیں کے تحت بھی تھی نور کو راہ

اس تمہید کے بعد معراج کا ذکر کرکے یوں ختم کیا ہے،

نبی تیرا ثناخواں ہوں کرم کر
غریقِ بحرِ عصیاں ہوں کرم کر

میری دونوں جہاں میں آبرو رکھ
سر اوپر میرے اپنا ہاتھ تو رکھ

ارے صاحب تجھے ہے کیا لیاقت
زباں رکھتی ہے تیری کیا طاقت

مے توحید کو ہر چند ہے جوش
پر آگے کم جو شطے خاموش را خاموش!!

ارے بیہودہ گو بک بک کو کر کم
کہاں عالم ہے ان باتوں کا محرم

حقیقت کا سخن مستور کر تو
مجازی کا ذرا مذکور کر تو

سخن پر کاملوں کے کان تو دھر
نصیحت پر علیؑ کے اب عمل کر

ز فہمِ مستمع این حرف دور است
سخن بے رنگ شد رنگش ضرور است

بطرزِ مولوی آہنگ بردار
حدیثِ دیگران کن پردۂ تار

اثر دار و از آواز بگذر
بدل ناخن زن و از ساز بگذر

کل ۹۹ شعر کہے ہیں، وہی پرانا قصہ ہے، جو دکن میں عام طور سے مشہور ہے، ساتھ ہی ساتھ اللہ میاں کے انگوٹھی دینے اور شیر برنج کھلانے وغیرہ کا حال بھی ہے،

ایک ہندو کا اس خلوص اور اعتقاد کیساتھ اس مثنوی کو نظم کرنا آج کل حیرت انگیز ہو تو ہو، مگر

اس زمانہ میں کوئی خاص بات نہ تھی، ہندو مسلمان ایک تھے، اور ان کا مذہبی اختلاف اس زمانے میں اسقدر اہمیت بھی نہیں رکھتا تھا، جیسی آج کل سنت والجماعۃ اور اہل حدیث نے آپس میں دے رکھی ہے، ہائے، ع وہ بھی اک دن تھے اک زمانہ تھا،

صاحب کے دیوان میں بہت سارے شعر حمد، نعت، منقبت کے موجود ہیں جنمیں سے چند نقل کیے جاتے ہیں

کیوں کہ ہو مخلوق سے خلاقِ اکبر کی ثنا
بندۂ کمتریں طاقت کہاں کہوے جو بن گر کی ثنا

حمد میں خلاق کے جس طور ہیں معذور ہم
ویسے ہی ہوتی نہیں مجھسے پیمبر کی ثنا

جو کوئی صدق و عدالت اور حیا و علم کے
باب ہیں، انکی ثنا ویسی ہے مظہر کی ثنا

کوثر و تسنیم سے اپنا دہن دھوؤں تو ہو
حضرتِ خیر النسا اور دونو سرور کی ثنا

مجھے امداد ہے شیرِ خدا کی اب عدو میرا
میرے پنجے سے پنجہ کو ملا سکتا ہے کیا قدرت تیرا

جز جناب آپ کے صاحب کا نہیں کوئی مولیٰ
اسکو محتاج تم اے صاحب قنبر نہ کرو

حشر کے روز اے صاحب یہ وسیلہ بس ہے
حیدرؓ و فاطمہؓ و شبرؓ و شبیرؓ مجھے

علامہ آزاد کا نام نہایت احترام سے لیتے تھے،

پرتو آزاد سے صاحب ہیں نورانی ہوا
فرض ہے میرے پہ و لیے مہر انور کی ثنا

ہم غلامِ علیؑ کے ہو کے غلام
سرو آزاد کو غلام کیے

انعام اللہ خان یقین کا احترام بھی بہت کرتے تھے،

قبول و لطف صاحب مظہر انعام اللہ ہیں
یقین ہے اب یقین سے بھی نہیں کچھ کم تخیل اپنا

یقین کا مصرعِ عالی میرے حق میں ہے اے صاحب
مقابل آج اسکے کون آ سکتا ہے کیا قدرت

اب یقیں کی یاد میں صاحب مگر روتا ہے ابر
کوکتی ہیں کوئلیں اور شور بھی کرتے ہیں مور

ہمکو دیوانِ یقین کی سیر ہے صاحب سدا
بلبلوں کو چھوٹتا ہے کب گلستاں کا خیال

تلخیص و تبصرہ

فنون لطیفہ اور اسلام

کلکتہ سرکاری مدرسہ کے پرنسپل مسٹر او، سی، گنگولی نے جو اپنے رسالہ روپم کی وجہ سے جمالیاتی دنیا میں تعارف کے چنداں محتاج نہیں، کلکتہ کے عجائب خانہ میں مذکورۂ بالا موضوع پر ایک تقریر کی، اس تقریر کے دوران میں انھوں نے کہا کہ

"اگرچہ مساجد اور دوسری مذہبی عمارتوں میں فن تعمیر کی تکمیل ہوتی رہی کہ وہ رسول اللہ صلعم کے منشاد حکم کے مطابق تھی، لیکن مصوری ہمیشہ دائرۂ مذہب سے خارج رہی، مساجد وغیرہ کی تعمیر و تحسین میں مذہبی خیالات و توقعات کو بہت کچھ دخل تھا، لیکن تصاویر کے لئے کوئی رغبت اور شوق اسلام نے نہیں پیدا ہونے دیا، اس لئے فن مصوری میں اس قوم نے جو کچھ کمال حاصل کیا ہے وہ اسلام کا مذہبی حیثیت سے ممنونِ احسان نہیں بلکہ وہ تمام تر مسلمانوں کی انفرادی و ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہے"

یہاں پر مقرر نے اسلام کے مذہبی حکم کی تشریح و توجیہ بیان کی، پھر کہا:

اس کی قدیم ترین مثال ہم کو ان تصاویر میں ملتی ہے، جو آٹھویں صدی عیسوی میں بحر میت کے قریب ایک اموی شہزادہ کے لیے قصرِ امارت میں بنائی گئی تھیں، چودھویں صدی کے ایک طبیب کی عجیب و غریب ہدایتیں ہیں، اس کا نام عبداللہ الغزولی ہے، اور وہ لکھتا ہے کہ حسین و جمیل تصاویر کا نظارہ روح کو مسرت و فرحت بخشتا ہے، بہرحال واقعہ جو کچھ بھی ہو، اتنا یقینی ہے کہ اس طبیب کی ہدایت سے بہت پہلے بارھویں صدی ہی میں یہ فن کتابت کے ساتھ ہی ساتھ تمدنِ اسلام میں داخل ہو چکا تھا، کہ تصاویر و اشکال کے ذریعہ طب، نجوم، ہیئت، میکینکس کے مسائل کی تشریح و توضیح کی جاتی تھی، اگرچہ خطاطی و کتابت

کے ساتھ ہی ساتھ یہ فن بھی عالمِ وجود میں آگیا تھا، لیکن فن خطاطی کے تقریباً تین صدیوں تک ترقی کرنے کے بعد فن مصوری کو اسلامی تمدن میں داخلہ کی اجازت ملی، ابتداءً حسنِ تحریر کو مصوری پر ترجیح دیجاتی تھی، اور ایک بکل تحریر ہی مرقع سمجھی جاتی، قرآن کی کتابت اور اسکو مذہب و منقش کرنے کے شوق نے فن خطاطی کو مذہبی رنگ دیکر عروجِ کمال تک پہونچا دیا، کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ کلام مجید لکھے جاتے تھے اور اسکی کتابت دینی اور دنیاوی دونوں طریقوں سے مفید و کارآمد ثابت ہوتی تھی مصری قرآن کے بعض نسخوں کے عنوانوں کی نقاشی عنوان سازی کا بہترین نمونہ ہیں،

جب چودھویں صدی کا انسان سوز طوفان ختم ہوا تو اس مردہ جسم سے ایک مستقل طریقہ عنوان سازی عالمِ وجود میں آیا، اس میں ایک طرف تو انتہائی سادگی تھی اور دوسری طرف آرائش کی طرف پوری توجہ صرف کیجاتی تھی، تیسری طرف جواہراتی رنگوں کی جمالی آمیزش اسکو ایک دلکش چیز بنا دیتی تھی،

تیموریوں کے ساتھ ہی ساتھ اس فن میں ایک نئی تحریک پیدا ہوئی، بہزاد اس کا اولیں رہبر ہے، اس نے ایرانی مصوری کو چینی قیود سے آزاد کر کے اس میں خود ایک آزادانہ شان پیدا کی، اور انسانی افراد کی واضح و صاف تصاویر بنا کے رنگ و روغن کا ایک نیا مذہب قایم کیا، اور اس کے شاگردوں آغا میرک، سلطان محمد، میر سید علی وغیرہ نے اس کو تکمیل کے درجہ تک پہونچا کر اس کی خصوصیات اور جمالی و فنی اوصاف کو زیادہ واضح اور ممتاز کر دیا، ایرانی مصوری کے آخری دور میں یورپ کا اثر بھی نظر آتا ہے،

گزشتہ ۱۶۵۰ء میں شاہ عباس صفوی نے اپنے ایک درباری مصور کو صرف مطالعۂ فن کیلئے اطالیہ بھیجا تھا، مختصراً ایرانی تصاویر اسلامی حکم کے خلاف اس بات کی زندہ مثال ہیں کہ انسان کا دل ہمیشہ حسن و معنی کی مسرت کو تلاش کرتا رہتا ہے، اور اس تلاش میں مذہب کی بیڑیاں اسے مطلوب کی جستجو سے باز نہیں رکھ سکتیں،

صنعت و حرفت

اسلامی تمدن کوئی محدود چیز نہیں ہے، اس کا ایک سرا ایک طرف بحر اٹلانٹک سے ملتا ہے تو

تو دوسرا الجبرا و قیانوس سے یہ مختلف نسلوں، مختلف خیالوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف تمدنوں کا ایک مجموعہ ہے، ان میں عرب، ساسانی، مراکشی، ترک، بربر، اندلسی، ہندی، حبشی، چینی اور جاپانی سب ہی شامل ہیں اسلام نے ان متضاد و مختلف تمدنوں کو یکجا کر کے "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اصول پر عمل اور ہر تمدن کی بہترین چیز کو اپنے اندر شامل کر کے ایک ایسے عجیب و غریب تمدن کی بنیاد ڈالی جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، نقاشی و قلمی فنون میں اس نے ہر اُس خیال، اُس نمونہ، اس علم اور اس کمال کو جو اسے اپنے وسیع فتوحات کے سلسلہ میں جہاں کہیں بھی ملا اس نے اپنا بنا لیا، اسلامی فنون میں ہر کاروان رفتہ کا نشان با صاف نظر آتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ جب عرب، دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکلے ہیں تو قبائلی اخلاق کے بلند ترین اصول کے سوا کوئی دوسری چیز ان کے پاس نہیں تھی، اس کے ساتھ ہی وہ چند عام نظموں کے بھی مالک تھے، مگر ان کے پاس بعض خانہ بدوشانہ آرائشوں کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کے ذریعہ وہ فنون لطیفہ میں کوئی اضافہ کر سکتے،

اسلام نے اپنے ابتدائی عہد فتوحات میں، اپنی مساجد اور دوسری عمارتوں کے لئے بازنطینی، رومی، ساسانی، اور شام کے ارمنی طرز تعمیر کی مکمل پیروی کی، ان کے گرجوں کے ستون اور ان کے نقش و نگار اور دوسرے جمالیاتی پہلو تمام تر انھیں کے مرہون منت ہوتے تھے، البتہ جب اسلامی دار السلطنت بغداد سے قاہرہ کو منتقل ہوا تو اس وقت سے اسلام نے خود اپنا تعمیری تخیل قائم کیا، اور مصر کے طولونی حکومت کی یادگاریں اس کی زندہ مثال ہیں،

دستکاری اور دوسری عام صنعتوں میں مسلمانوں نے اپنے حصہ سے بہت زیادہ کام کیا ہے، انھوں نے اس سلسلہ میں اپنی بیش بہا ایجادوں سے اس خزانہ کو مالا مال کر دیا ہے، جاندار چیزوں کی مصوری کی ممانعت نے ان کو اس طرف متوجہ کر دیا کہ وہ جمالیات کے دوسرے پہلوؤں کو نمایاں کریں، اور اس میں انھوں نے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی جب فطرت کی نقالی کا دروازہ اس پر بند ہو گیا تو اس نے خود اپنے اندر غور کرنا شروع کیا اور اس غواصی کے بعد ایک ایسا موتی ان کے ہاتھ لگا جو خود ایک مستقل فن تھا، اور جس میں تمام جمالیاتی محاسن کے ساتھ

ہی ساتھ فطرت کی نقالی سے آزادی بھی تھی، مسلمانوں نے اسی کے ذریعہ خطوط و دوائر کو اس انداز توازن سے یکجا کیا کہ اس سے ایک جمالیاتی اقلیدس عالم وجود میں آگئی اور اس طرز کی نقاشی کا نام ہی عربی طرز یا (ARABESQUE) ہو گیا،

اس کے بعد لائق مقرر نے اس طرز کی تشریح و تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح مسلمانوں نے ان خطوط و دوائر کے فن کو ترقی دیکر تعمیر، ہاتھی دانت، شیشہ، معدنیات، برتن، کپڑوں اور قالینوں میں تحسین و تجمل کا بے مثل نمونہ پیدا کر دیا،

"ن"

ہندوستان کی موجودہ صنعت پارچہ بافی

صوبۂ مدراس کے نوزائیدہ جامعہ اناملائی کے استاد اقتصادیات مسٹر وی، جی، رام کرشنا ائر نے مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے، اس سے ہم کو صنعت پارچہ بافی کا حال معلوم ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں

"ہندوستان کی موجودہ پارچہ بافی ان چند مخصوص صنعتوں میں ہے جو مغربی اصول پر جاری ہیں، ان دنوں اس کی طرف خاص طور پر لوگوں کی توجہ مبذول ہے، اور حکومت نے بھی یہ دیکھ کر اس کے لئے ایک مجلس تحقیقات کے تعیین کا ارادہ ظاہر کیا ہے، اس وقت ہندوستان میں ۳۳۰ روئی کے کارخانے ہیں ان میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار کرگھے اور ۳ لاکھ مزدور مصروف کار ہیں، ہندوستان میں کپڑے کا خرچ یہ ہے

سنہ	گز	سنہ	گز
سنہ ۶-۱۹۲۵ء	۴۲۲۰۰۰۰۰۰	سنہ ۷-۱۹۲۶ء	۴۸۷۰۰۰۰۰۰
سنہ ۸-۱۹۲۷ء	۵۰۶۰۰۰۰۰۰		

ہندوستان کے کارخانوں میں تقریباً ۲۲۵۰۰۰۰۰ روئی کے گٹھے صرف ہوتے ہیں، اور اس صنعت میں ۴۰ کرور روپیہ لگا ہوا ہے، ان حالات کے باوجود اس وقت ہندوستان میں اس صنعت کو

مشکلات کا سامنا ہے، اس کی پہلی وجہ بیرونی کارخانوں کا اس صنعت پر قبضہ ہے، دوسری چیز شرح تبادلہ کا موجودہ نرخ ہے، جس سے بیرونی ممالک کو ۱۲½ صدی کا زائد نفع ہے، اس لئے ہندوستان پر درآمد کا بہت اثر پڑ رہا ہے، مندرجۂ ذیل اعداد درآمد کی وسعت کو ظاہر کرتے ہیں،

سنہ	گز	سنہ	گز
سنہ ۱۹۲۶ء	۱۸۲۰۰۰۰۰۰	سنہ ۱۹۲۷ء	۲۰۱۱۰۰۰۰۰
سنہ ۱۹۲۸ء	۱۹۴۱۰۰۰۰۰		

اب ان کپڑوں کی قیمت بھی ملاحظہ ہو،

سنہ	روپیہ	سنہ	روپیہ
سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء	۵۵۰۱۰۰۰۰	سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء	۵۵۱۳۰۰۰۰
سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء	۵۵۸۱۰۰۰۰		

صرف گذشتہ دو سال میں بمبئی ہی میں کپڑے کی درآمد میں ۸۰۰۰۰۰۰ گز کپڑا زائد آیا ہے،

ہندوستان اس بیرونی تاخت کے مقابلہ سے مجبور ہے، اس حیثیت سے اس کا سب سے بڑا رقیب جاپان ہے، اگرچہ اس سال جولائی سے جاپان نے رات کو عورتوں اور بچوں کو کام کرنے سے روک دیا ہے، لیکن وہ روزانہ ۱۸ گھنٹے مسلسل دوروں سے کام لے سکتا ہے، ہندوستان میں بھی یہ قانون ہے لیکن اس کے ساتھ ۱۰ گھنٹہ کام لینے کی بھی ممانعت ہے، حال ہی میں جاپان نے اپنے کارخانوں میں کرگھوں کو بڑھا دیا ہے اور اس طرح ۵۰ فیصدی زیادہ کپڑا تیار ہونے لگا ہے،

ان مشکلات کے مقابلہ میں ان کو حکومت کی طرف سے حفاظت کا کافی سامان بھی نہیں دیا گیا ہے، اس کے برخلاف انگلستان میں مانچسٹر و لنکاشائر کے کارخانوں کی حالت نے حکومت کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، مختلف کارخانوں کا ایک دوسرے میں ضم ہو جانا اور مختلف بنکوں کا ان کو ضرورت کی مطابق امداد

دینے کے لئے تیار ہونا یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ حکومت اس صنعت کو کس حد تک مدد دینے کے لئے تیار ہے اور زیر جنگ مسٹر ٹامس شا نے حال ہی میں ایک تقریر میں کہا ہے کہ لنکاشائر کی صنعت پھر بہت وسیع ہے، سنہ ۱۹۲۸ء میں ہندوستان کو جو کپڑا یہاں سے بھیجا گیا ہے، اس سے کرۂ ارض کو ۳۳ مرتبہ لپیٹا جا سکتا ہے، ہر سو گز کپڑے میں ۸۸ گز باہر گیا، اور اس میں سے صرف ہندوستان میں ۴۰ فیصدی بھیجا گیا،

اس صنعت کو محفوظ رکھنے کی اولین صورت یہ ہے کہ بیرونی کپڑے پر ۱۲ فیصدی کی مزید چنگی لگائی جائے، ٹرکی نے حال ہی میں اس قسم کی ۷۵ فیصدی کی چنگی جاری کی ہے، امریکہ میں بھی یہی ہو رہا ہے،

غرضکہ تمام صنعتی ممالک اپنے اپنے ملک کی صنعتوں کی حفاظت کے سامان میں مصروف ہیں، جاپان نے اسکو ثابت کر دیا ہے کہ جب درآمد برآمد پر قیود نہ عائد کئے جائیں کوئی ملکی صنعت ترقی نہیں کر سکتی، ان حالات کے باوجود بھی حکومت ہند خاموش بیٹھی ہے، یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس ملک میں روئی کی فراوانی اور ۳۲۰۰۰۰۰۰ خریداروں کی موجودگی کے باوجود اس صنعت کو کسی قسم کا کوئی فروغ نہیں ہے،

ایک دوسری چیز جو اسکی ترقی میں مزاحم ہے، ریلوے کمپنیوں کے محصول کی زیادتی ہے، ہندوستان جیسے وسیع ملک میں محصول بازار پر بہت کچھ اثر ڈالتا ہے، لیکن ریلوے کمپنیوں کو اپنے منافع اور محفوظ سرمایہ کے اضافہ ہی سے فرصت نہیں ہے، یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ جب کبھی ہندوستان میں ان کارخانوں کو دشواری کا مقابلہ ہوا، اسی وقت لنکاشائر بھی متاثر ہوا، لیکن دونوں کے اسباب میں زمین آسمان کا فرق ہے، لنکاشائر میں قیمتوں کی گرانی، معاشرتی حالت کی ترقی، مزدوری میں اضافہ، کام کے اوقات میں کمی وغیرہ کا اثر وہاں کی صنعت پر پڑ رہا ہے، لیکن بمبئی میں دوسرے حالات ہیں، لیکن اسکی اصلی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سنہ ۱۴-۱۹۱۳ء میں کل کا ۲۸ فیصدی سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء میں خرچ ہوا، اس لئے اس وقت جو مسئلہ زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں کارخانوں کے بنے ہوئے کپڑے کی مانگ کس طرح بڑھائی جائے، اس سلسلہ میں کپڑوں کی تیاری کی جگہ خرچ کے زاویۂ نظر سے اس مسئلہ کا مطالعہ کرنا چاہئے، حکومت کو اسکی تحقیقات کیلئے ایک ماہر فن کو مقرر کرنا ہے، اس سلسلہ میں اگر یہ بھی معلوم ہو سکے کہ ہندوستان میں کارخانہ کے کپڑوں کا استعمال و صرف کن اصول پر مبنی ہے، تو یقیناً بہت کچھ مفید ہوگا،

"ن"

اخبارِ علمیہ

لباس اور اس کے اثرات

مغرب میں خواتین نے لباس کو جس عریانی کے درجہ تک پہونچا دیا ہے، اس نے وہاں کے مردوں کے دلوں میں اصلاحِ لباس کا جذبہ پیدا کر دیا ہے، اور اس جذبۂ شوق کے حق بجانب ہونے کیلئے اقتصادی و علمی دلائل پیش کئے جا رہے ہیں، اور ہمکو بتایا جا رہا ہے کہ کس طرح زیادہ کپڑوں کا بدن پر خراب اثر پڑتا ہے، کس طرح مرد اپنی قوت اپنی صحت اور اپنے اس اقتدار کو جو ان کو صنفِ نازک پر حاصل تھا، کھو رہے ہیں، ہم کو اس کی بھی اطلاع دی جاتی ہے، کہ اگرچہ پیدایش کے اعتبار سے لڑکے لڑکیوں سے زیادہ پیدا ہوتے ہیں اور سنِ بلوغ تک پہونچتے پہونچتے انکی تعداد اس قدر گھٹ جاتی ہے کہ جوان خواتین کی تعداد ان سے مضاعف ہوجاتی ہے، بیماریوں، کانوں اور کارخانوں کے حادثوں سے بھی مرد ہی شکار ہوتے ہیں، اور کام کا اثر ان کو عورتوں سے جلد تر کمزور اور کام سے معذور کر دیتا ہے، اس کے ساتھ ہم کو اس خطرہ سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے کہ اگر صورتِ حال یہی رہی اور عورتوں نے اصلاحِ لباس کے ذریعہ قوت حاصل کر لی تو مردوں کو اپنی جگہ خالی کر کے نیاز مندانہ درجہ حاصل کر لینا پڑیگا، انھیں خطرات کو محسوس کرنے کے بعد فرانس، انگلستان، امریکہ، وغیرہ میں مردوں کے لباس کی اصلاح کیلئے انجمنیں قایم ہو رہی ہیں، جرمنی وغیرہ کی ایک محدود جماعت نے تو انتہائے جوش میں عریانی ہی کو اپنا بہترین لباس قرار دیدیا ہے، وہاں طلبہ کو کم سے کم کپڑوں پر اکتفا کرنے کی تعلیم دیجا رہی ہے، کیا مغرب رفتہ رفتہ مشرق کو نظریہ سوال کی طرح نہیں اپنا رہا، (لڈ)

درختوں پر عملِ جراحی

نیویارک کے علمی رسالہ پاپلر سائنس نے مندرجہ بالا موضوع پر ایک طویل مضمون شایع کر کے اس تجربہ کی تکمیل کا حال لکھا ہے، جو درختوں پر عملِ جراحی کے متعلق کیا جا رہا تھا اس کا بیان ہے کہ اب یہ بات تجربہ سے پایۂ ثبوت

کو پہونچ چکی ہے کہ اگر ایک بڑے قسم کے درخت پر اس کی نمو کے ابتدائی ایام ہی میں عملِ جراحی کیا جائے اور اس کی بعض جڑوں اور ڈالوں کی ایک خاص طریقہ سے قطع و برید کی جائے تو وہ ضخامت اور دوسری حیثیتوں سے تو علی حالہ رہیگا مگر اس کا قد زیادہ نہ بڑھ سکیگا، اور اپنے ہم جنسوں میں ناٹا ہی رہیگا، "لڈ"

صوت پیما

جس طرح تھرمامیٹر حرارت معلوم کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے، اسی طرح حال ہی میں اسی شکل و صورت کا ایک آلہ آواز کی پیمایش کے لئے بھی ایجاد کیا گیا ہے، یہ آلہ کمرہ میں دیوار پر لٹکا دیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ آہستہ سے آہستہ اور پرزور سے پرزور آواز کی قوت اور فضا پر اسکے اثرات کو معلوم کیا جا سکتا ہے، "لڈ"

علمِ جراحی اور بولتی تصویریں

کچھ عرصہ سے بعض طبی مدرسوں میں متحرک تصاویر کے ذریعہ علمِ جراحی کی تعلیم دی جا رہی ہے، مگر ان تصاویر کی نمایش کے ساتھ استاد کو انکی تشریح بھی کرنا پڑتی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا، کہ طالب علموں کی توجہ منقسم رہتی تھی، کبھی تو استاد کے جملے ٹھیک سے نہ سن سکتے تھے، اور کبھی بعض تصاویر برعت سے گذر جاتیں، اسلئے اب ان اساتذہ نے توجہ کو مرکوز رکھنے کیلئے یہ صورت اختیار کی ہے، کہ تصاویر کے ساتھ گویائی کے آلہ کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے، حال ہی میں لندن میں اس کا تجربہ کیا گیا تھا، اور وہ بہت کامیاب ثابت ہوا ہے، "لڈ"

دودھ کی چادر

ڈینمارک کے ایک کارخانہ نے حال ہی میں وہ طریقہ دریافت کر لیا ہے، جس کے ذریعہ دودھ کا آبی جز بالکل غایب کر دیا جاتا ہے، اور جو چیز باقی رہجاتی ہے، اسکو ایک مشین میں دبا کر کاغذ کے دبیز تختوں کی طرح بنا لیا جاتا ہے، موجد کا بیان ہے کہ دودھ کو اس شکل میں برسوں رکھا جا سکتا ہے، اور جب کبھی دودھ کی ضرورت ہو اسکو پانی میں گھول کر اصلی دودھ بنا لینا آسان ہے، اسمیں تازہ دودھ کی تمام خصوصیتیں باقی رہینگی، اس ردائے شیر کے لئے عنقریب ایک مستقل کارخانہ کھولا جانے والا ہے، "لڈ"

صلح جو اقوام کا فوجی خرچ

مجلس اقوام کے قیام کی غرض دنیا میں امن و امان کا قیام ہے، مگر اس کے پرجوش ارکان عملاً اس مقصد تک پہونچنے کیلئے کیا کوشش کر رہے ہیں، اس کا اندازہ ان رقموں سے ہوگا، جو وہ سالانہ اپنی فوجوں پر صرف کرتے ہیں (رقمیں ڈالر میں ہیں)

سنہ	برطانیہ	فرانس	امریکہ	جاپان
۱۹۲۷ - ۲۸	۵۷۰۷۵۸۴۰۰	۰	۶۲۴۶۰۰۰۰۰	۲۱۲۲۸۳۰۰۰
۱۹۲۸ - ۲۹	۵۵۱۴۶۴۲۰۰	۴۰۷۹۱۵۰۰۰	۶۸۴۷۰۰۰۰۰	۲۲۴۳۵۲۰۰۰
۱۹۲۹ - ۳۰ (تخمینہ)	۵۴۷۲۶۴۶۰۰	۵۲۳۲۴۱۰۰۰	۷۴۱۰۰۰۰۰۰	۲۳۵۳۵۱۰۰۰

اسی سلسلہ میں ان اقوام کی بحری قوت کے اعداد بھی دلچسپ ہونگے،

اقسام جہاز	امریکہ	برطانیہ	جاپان	فرانس	اطالیہ
جنگی جہاز	۱۸	۲۰	۱۰	۹	۴
کروزر	۲۸	۸۲	۳۳	۱۶	۲۲
آبدوز	۱۲۹	۸۰	۷۶	۹۵	۶۷
ڈسٹرائر	۲۶۰	۱۹۴	۱۱۵	۸۲	۹۰
ہوائی بیڑے	۴	۶	۳	۱	۰

اسی کے ساتھ ان کے کروزروں کے اوزان کا بھی حال دیکھئے، کہ ان سے ان کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، ان کا وزن ٹن میں ہے،

ملک	موجود	زیر تعمیر	تعمیر ہونے والے
امریکہ	۷۵۰۰۰	۸۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
برطانیہ	۳۰۸۷۰۰	۶۶۶۰۰	۲۵۰۰۰
جاپان	۱۶۳۹۵۵	۵۰۰۰۰	۰
فرانس	۸۹۳۶۹	۳۶۹۹۶	۱۰۰۰۰
اطالیہ	۶۳۴۱۹	۳۰۰۰۰	۵۰۰۰۰

ان سب کی میزان یہ ہوگی،

امریکہ ۲۵۵۰۰۰ ٹن، جاپان ۲۱۳۹۵۵ ٹن، برطانیہ ۳۰۰۴۰۰ ٹن، فرانس ۱۳۶۳۶۵ ٹن، اطالیہ ۱۴۳۴۱۹ ٹن،

امریکہ میں بیماری کے اخراجات

امریکہ کے شفاخانوں کے ناظم کا بیان ہے کہ وہاں کی آمدنی کا نواں حصہ امراض کی نذر ہوتا ہے، اس کی تین صورتیں ہیں، (۱) دوا وغیرہ کے اخراجات (۲) کام نہ کرنے کی وجہ سے آمدنی میں کمی، اور (۳) قبل از وقت موت کا تاوان، اس کا بیان ہے کہ امریکہ کی سالانہ آمدنی ۹۰۰۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر (نوے ارب) ہے یعنی تقریباً ۲ کھرب ۷۰ ارب روپیہ اس میں سے دوا وغیرہ میں سالانہ ۲ ارب پچاس کروڑ ڈالر خرچ ہوتا ہے، علالت کی وجہ سے آمدنی میں ۲ ارب ڈالر کی کمی ہوتی ہے، اور قبل از وقت موت کی وجہ سے ۶ ارب کا نقصان ہوتا ہے، کیا سارے ہندوستان کی کل آمدنی اتنی ہے، جتنا امریکہ میں مرض کے سلسلہ میں خرچ ہوتا ہے،

"لؔ"

"ن"

ادبیات

حدیثِ طاہر

صفی الدولہ حسام الملک شمس العلما نواب علی حسن خاں صاحب طاہر

کون سے جلوے ترے روئے گل افشاں میں نہیں — دیکھتا ہوں وہ بہاریں جو گلستاں میں نہیں

کون سے لطف نہاں کاوشِ مژگاں میں نہیں — یہ دل آویز خلش ناوکِ پیکاں میں نہیں

رہ کے دنیا میں کوئی ہو نہیں سکتا آزاد — یاں تمدن میں وہ قیدیں ہیں جو زنداں میں نہیں

ہوئی اک روح نئی جوشِ جنوں سے پیدا — کم رگِ جاں سے کوئی تار گریباں میں نہیں

غیر کے خط میں لکھے جاتے ہیں اب مجھکو سلام — آپکی یہ تو عنایت کسی احساں میں نہیں

ابر چھایا ہے بناؤں میں کسے مشعلِ راہ — کوئی جگنو بھی یہ چمکتا شبِ ہجراں میں نہیں

نہ تو دردمیں تڑپ دل کی نہ کانٹوں میں خلش — وحشتِ دل کا بھی سامان بیاباں میں نہیں

جو تصور میں سما جائے وہ سب ممکن ہے — غیر ممکن کوئی شے عالمِ امکاں میں نہیں

اسی الجھن میں ہوں طاہر کہ یہ کیونکر سلجھے
جو گرہ دل میں ہے وہ کاکلِ پیچاں میں نہیں

کلامِ جلیل

(از جناب جلیل قدوائی بی اے (علیگ))

آج یوں نالۂ غم عشق نے آغاز کیا — حسن کو بھی ہمہ تن گوش برآواز کیا

تو نے یہ طرزِ ستم اے نگہِ ناز کیا — دل میں اک سوز تھا پہلے اسے اب ساز کیا

دل نے آغاز جو اک نغمۂ بے ساز کیا — سازِ موسیقیٔ فطرت کو ہم آواز کیا

خانۂ دل میں وہ آئے تو یہ اعجاز کیا — جسمِ بے روح کو سرمست و سرافراز کیا

تو نے یہ کام عجب اے نگہِ ناز کیا — طائرِ ہوش کو آمادۂ پرواز کیا

ہے وہی میرے لئے حاصلِ یک عمرِ وفا — تم نے جو جرمِ محبت نظر انداز کیا

دل نے اُس نیم نگاہی کا اشارہ پاکر — روح کو غرقِ نگاہِ غلط انداز کیا

دستِ قدرت نے وہیں اپنی نگاہی تھی ہمیں — گلشنِ دہر میں جس گل نے ذرا ناز کیا

میں وہ بلبل ہوں کہ جب میں نے قفس کو چھوڑا — رُخ پھر اُس سمت نہ میں نے دم پرواز کیا

کام دشوار تھا اس شوخ کی الفت کا جلیل
تو نے اسکو مگر اے عاشقِ جانباز کیا

نورِ اختر

سیّد علی اختر صاحب اختر، حیدرآباد دکن،

قفس میں نہ سمجھے تھے ہم کہ حالت رہینِ امن و امان رہیگی
کسے خبر تھی کہ برق اب بھی نگاہ بر آشیاں رہیگی

یہ میں نے مانا کہ خاک تک بھی میری نہ او آسماں رہیگی
مگر طرازِ کتابِ عبرت "ستم کی اک داستاں رہیگی"

وہی تو ہے رازِ شادمانی جو درد ہو بے نیازِ درماں
جہاں نہ ہو شمعِ عشق روشن، وہ بزم ناشادماں رہیگی

ہر ایک ذرہ کی تہ میں پھوٹینگے جلوہ مہ کے ہزار چشمے
نگاہِ مشتاق، فطرتِ حسن کی اگر رازداں رہیگی

سمجھ کے ترکیب دل میں رکھے گئے تھے اجزاے بیقراری
وہ جانتے تھے کہ ورنہ اُنکی نظر کی شوخی کہاں رہیگی

درست ایوانِ عزم توکر زمیں کی تاریک پستیوں میں
جھکی ہوئی خود جبینِ اوجِ فلک سرِ آستاں رہیگی

مجھے نہیں ذوقِ شادمانی، مگر پھر اسکی ہے کیا ضمانت
چمن میں ہنستی نہ ہونگی کلیاں، بہارِ نوگل نشاں رہیگی

گزرنے والو! ذرا سمجھکر منازلِ دہر سے گذرنا
کہ تم نہ ہوگے مگر حدیثِ تجملِ کارواں رہیگی

سکوں سمجھتے تھے ہم مآلِ جراحتِ دل، کسے خبر تھی
کہ جانِ مجبور بھی رہینِ کشاکشِ امتحاں رہیگی

جو چاہتے ہو سُبک نہ ہو خود نظر میں اپنی، تو غم نہ کرنا
نمودِ ہستی وگرنہ بن کر فریبِ وہم و گماں رہیگی

تجھے ہے کیوں رنجِ نامرادی کہ دل ہے لبریز درد تیرا
ہزار ہو صرفِ ناشناسی یہ جنس پھر بھی گراں رہیگی

سمٹ کے اجزاے روح میرے ہوئے ہیں سب اس میں جمع اختر
مجھے غمِ شیب کیا، عروسِ سخن تو میری جواں رہیگی

باب التقریظ والانتقاد

تفسیر القرآن بکلام الرحمان

آج کل ہندوستان میں عربی زبان میں تالیف و تصنیف شاذ و نادر ہوتی ہے، ایسی حالت میں کسی عربی کتاب کا نکل آنا حد درجہ قابلِ قدر ہے، اور خصوصاً قرآن پاک کی عام مذاق سے کوئی بلند خدمت اور بھی زیادہ قدر کے قابل ہے،

غالباً بیس برس ہوئے ہونگے کہ جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر اہلحدیث نے قرآن پاک کی عربی میں خاص اصول اور طرز کے ساتھ ایک مختصر تفسیر لکھی تھی، جس کو اس وقت کے ہر مسلک اور مشرب کے علماء نے پسند کیا تھا، مدت سے اس کے نسخے ختم ہوگئے تھے، اب مولانا نے نظر ثانی کے بعد اس کو دوبارہ چھپوایا ہے،

مولانا کے ہمیشہ یادگار کاموں میں سے سب سے بڑا کام یہ انکی عربی تفسیر "القرآن بکلام الرحمان" ہے، یہ غالباً اسلام میں پہلی تفسیر ہے، جو اس اصول پر لکھی گئی ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے، حالانکہ یہ اصول کہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً نظری حیثیت سے علماء میں مدتوں سے مسلم ہے، مگر عملی حیثیت سے اسکو کے اب تک کسی نے دکھایا نہ تھا، یا کسی نے دکھایا بھی ہو تو اسوقت موجود نہیں، اس بنا پر اس تفسیر کی یہ خصوصیت بہت کچھ تعریف و توصیف کی مستحق ہے، مصنف ہر آیت کی تفسیر میں دوسری ایسی آیتوں کا حوالہ دیتے جاتے ہیں، جن سے پہلی آیتوں کی پوری تشریح ہوتی ہے، ان آیتوں کے صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ پارہ اور رکوع کا بھی ساتھ ساتھ نشان دیدیا ہے،

اس تفسیر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ جلالین کے اصول پر مختصر لکھی ہے، پوری تفسیر ۴۰۰

صفحوں کی ایک جلد میں ختم ہوگئی ہے، اس لئے وہ طلبہ کے لئے اور عربی مدرسوں کے نصاب تعلیم کے لئے کارآمد ہوسکتی ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ عربی مدرسوں میں اگر جلالین کی جگہ اس تفسیر کو رواج دیا جائے تو آج کل کی ضرورتوں کے لحاظ سے بہت بہتر ہے،

قرآن کی اس طرز کی تفسیر کی ضرورت عوام اور اُن سے زیادہ خواص کو روز بروز زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے، اور ہوتی جائیگی، اور آج جبکہ ہر مترجم نسخۂ قرآن پاک کا مالک مفسر اور ہر کسی فہرست القرآن کا ناظر ماہر قرآن بننے کا مدعی ہے اور کبھی قرآن پاک کی صرف ایک آیت کو لے کر اپنے مجتہدانہ دعوی کے اصول وضع کرنے لگتا ہے، یہ کتاب انکی ہدایت کیلئے بیحد مفید اور کارآمد ہوسکتی ہے، ضرورت ہے کہ اہل علم حضرات اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں، اور اگر خدائے تعالٰے ان میں سے کسی کو توفیق دے تو اس اصول کو اور ترقی دے، اور اس طرز پر قرآن کی اس سے بہتر خدمت کرے،

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

یہی وہ تفسیر ہے جس پر اہل حدیث اصحاب کی ایک جماعت کو چالیس اعتراضات تھے، اور جن کے فیصلہ کے لئے سلطان ابن سعود کو حکم مانا گیا تھا، سلطان کا یہ خط بھی اس کی لوح کے دوسرے صفحہ پر دیدیا گیا ہے، ساتھ ہی مصر و ہندوستان کے بعض عربی جرائد اور تصنیف کی اول اشاعت کے وقت اس عہد کے اکابر علماء نے اس پر جو تقریظیں اور رائیں لکھی تھیں، وہ بھی دے دی گئیں،

قیمت للعہ، دفتر اہلحدیث، امرتسر،

مطبوعات جدیدہ

ہندوستان کے معاشرتی حالات، (ازمنۂ وسطیٰ) از جناب عبداللہ یوسف علی صاحب [illegible] قیمت درج نہیں، پتہ ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد،

ہندوستان کے علمی و ادبی حلقہ میں نہ ہندوستانی اکاڈمی اور نہ جناب عبداللہ یوسف علی صاحب تعارف کے محتاج ہیں، اکاڈمی نے ۱۹۲۶ء سے یہ مفید سلسلہ جاری کیا ہے، کہ وہ ہر سال ہندوستان کے بعض اصحابِ علم کو اپنے یہاں اس بات کی دعوت دیتی ہے، کہ وہ ہندوستان کے کسی علمی موضوع پر اظہار خیال کریں، موجودہ کتاب اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے، اور لایق مقرر کی چار تقریروں کا مجموعہ ہے، ان لکچروں میں ہندوستان کے قرون وسطی (۶۴۵ء سے ۱۵۲۶ء تک) کے تمدنی و معاشرتی حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ابتدا میں اکاڈمی کے ناظم ڈاکٹر تارا چند صاحب کا ایک تعارف نامہ اور پھر حضرت ضامن کا ایک قطعہ ہے، فاضل مقرر نے ابتدائے تقریر میں اردو کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے، ٹائپ کی ترویج پر زور دیا ہے، یہ کتاب بھی ٹائپ ہی میں ہے، یہ تقریریں اگرچہ صرف ۱۴۱ صفحوں پر مشتمل ہیں، لیکن اجمالاً ان میں معاشرتی زندگی کے ہر پہلو پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے، اور بتائے ہوئے ماخذوں کی روشنی میں ہم اگر چاہیں تو اپنے معلومات کو وسیع تر اور مکمل تر کرسکتے ہیں، کتاب کی زبان گو صاف، سہل اور رواں ہے، مگر اس میں کچھ ترجمیت کی جھلک معلوم ہوتی ہے، کہیں کہیں کتابت و طباعت کی غلطیاں نظر آتی ہیں، لیکن اس مجموعہ کے افادی مرتبہ کے سامنے انکا وجود بے اثر ہے، اور ہم اکاڈمی کو اس علمی کارنامے پر مبارکباد دیتے ہیں،

فکرِ بلیغ، از جناب سید علی محمد صاحب شاد مرحوم، ۲۰+۶+۱۲۰، قیمت ۸ء دعہ، پتہ عبد الحمید

صاحب حمید، پٹنہ سیٹی،

شاد مرحوم کی ذات اُردو ادب کیلئے مایۂ صد افتخار تھی، وہ ایک گوشہ نشین مرنجاں مرنج بزرگ تھے، ان کا تمام وقت تلامذہ کے کلام کی اصلاح یا علمی و ادبی کتابوں کی تصنیف میں صرف ہوتا تھا، بعض کتابیں تو انکے زمانہ ہی میں چھپ گئی تھیں، لیکن ان کی وفات کے بعد جو ذخیرہ انھوں نے چھوڑا ہے، وہ اس سے کئی گنا زیادہ ہے، اگر اُردو ادب کی اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے، کہ "اُردو سبھا" کے اس "اندر" کی خیالی پریوں کو کوئی کاغذی لباس پہنا کر بھی منصۂ شہود پر لانے والا نہیں، اور خوف ہے کہ اگر ہماری بے توجہی اسی طرح قایم رہی تو وہ تمام علمی جواہر جو انھوں نے خونِ جگر پیکر جمع کئے تھے، اور جو اُن کی نود سالہ زندگی کا ماحصل ہیں، بہت جلد زمانہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائینگے، اور یہ ایک ایسا ناقابلِ برداشت نقصان ہوگا کہ شاید اس کی تلافی نہ ہو سکے گی، ایسی حالت میں ان کے تلامذہ اور معتقدین میں سے بعض کا ہمت کرکے ان کی تصانیف کی حتی المقدور اشاعت کا سامان کرنا ایک قابلِ ستائش عمل ہے، اس کتاب کو جناب حمید تلمیذِ شاد نے طبع کرایا ہے،

اس کتاب میں شاد مرحوم نے فصاحت و بلاغت کے تمام اصول بتا کر اُردو شاعروں اور انشاپردازوں کو صحیح لکھنے اور بولنے کا رستہ بتایا ہے، اور ہر وہ شخص جو اپنی تحریر کو خواہ وہ نظم ہو یا نثر درست کرنا چاہتا ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، شاد کی مخصوص زبان نے اسمیں ایک خاص سادگی اور کشش پیدا کردی ہے، اس کتاب کی اتنی ہی تعریف کافی ہے کہ یہ شاد مرحوم کی تصنیف ہے، البتہ طباعت کی خرابیاں اس کے دامن پر بدنما داغ ہیں،

ظہورِ رحمت، از جناب شاد مرحوم ص۲ ۱۴۰، قیمت ۸، پتہ دار الاشاعت رحمانی، مہندرو، پٹنہ،

یہ شاد مرحوم کے ایک طویل مسدس کا ابتدائی حصہ ہے، انھوں نے یہ مسدس میلاد میں پڑھنے کے لئے لکھا تھا، اور حالی مرحوم کی دعوت پر خود علی گڈھ جا کر سرسید وغیرہ کے سامنے اپنی یہ نظم سنائی تھی،

مکمل نظم دو حصوں پر مشتمل ہے، دوسرا حصہ حضرت علیؓ کی شجاعت وغیرہ کے متعلق ہے، اسمیں ۲۱ بند تھے، لیکن آخری حصہ اور بیچ کے بعض بندوں کو نکالنے کے بعد ۱۳۰ بند کا یہ منظوم میلاد نامہ پیش کیا گیا ہے، اسکی طباعت کی سعادت بھی ان کے ایک معتقد طالب علم حافظ سید ظہیر احمد کو نصیب ہوئی، اور بقول خود نگار جناب اختر اُردو میں یہ پہلی مثال ہے کہ ایک طالبعلم نے یہ علمی ذوق و ہمت دکھائی ہے، مسدس نہایت ہی دلچسپ ہے، اور ادبی خوبیوں سے مملو، ابتدا میں ۸ صفحہ کا ایک دیباچہ بھی ہے،

تحفۂ خادم خلق مولفہ جناب سیدن شاہ صاحب (خادم خلق) ص۱۵۲، قیمت عہ، پتہ مصنف گجرات، پنجاب،

سید صاحب جلالپور کے صوفی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، انکو خواب میں حکم ہوا کہ وہ مسلمانوں میں مذہب کی اشاعت کریں کہ انکو صحیح مسلمان بنا کر تبلیغ کا بہترین نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے، انھوں نے اسی رویائی حکم کے مطابق یہ رسالہ لکھا ہے، اس میں انھوں نے مختلف مذہبی و اخلاقی موضوع پر صاف و سادہ طریقہ سے اظہارِ خیال کیا ہے، امید کہ عوام کیلئے یہ رسالہ مفید ثابت ہو،

تحفۂ ہندو یورپ، مصنفہ مولوی نعمت اللہ خاں صاحب گوہر ص۱۹۲ قیمت عہ، پتہ چودھری عبدالرحمن صاحب شاکر، قادیان، پنجاب،

مولوی نعمت اللہ صاحب احمدی جماعت کے ایک مبلغ و مصنف ہیں، اس کتاب میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ آرین اور سامی اقوام دراصل ایک ہی جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے ہندو اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی سمجھنا چاہئے، مولوی صاحب کو اپنی اس عجیب دریافت کے متعلق دعویٰ ہے، کہ آج تک کسی کو یہ بات نہ سوجھی، انھوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جو فاضلانہ ثبوت پیش کیا ہے، وہ شاید تحقیق کی حرارت کے سامنے برف کی طرح پگھل جائے، دوسرے کتاب تمام تر مناظرانہ طریق پر لکھی گئی ہے، کہیں عیسائیوں پر حملہ ہے، کہیں آریوں پر، ایک علمی تحقیقات کے لئے

یہ زبان بالکل نامناسب اور مقصد کے منافی ہے، اگر گوہر صاحب اتنی ہی دور کی کوڑی لانا چاہتے تھے، تو انکے لئے توسب سے آسان صورت یہ تھی کہ وہ صرف اس بات کا وعظ کہتے کہ

بنی آدم اعضاے یک دیگر اند کہ در آدمیت ز یک جوہر اند

لیکن چونکہ انکا خیال ہے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے بھی ہندوستان میں انسان آباد تھے (حاشیہ ص ۲۴۵) اسلئے یہ وعظ انکو مفید نظر نہ آیا، کاش وہ اپنی ذہانت اور قابلیت کیلئے کوئی مفید شاہراہ عمل اختیار کرتے،

کوہستان کانگڑہ، شائع کردہ دارالاشاعت این ڈبلو ریلوے ہنٹر ۲۸ پتہ پبلیسٹی بیرو، این، ڈبلو، آر، لاہور۔

شمال مغرب کے سرکاری ریلوے نے اہل ذوق اور سیاحت پسند اصحاب کو آمادہ سفر کرنے کیلئے ان مقامات کے متعلق جہاں سے یہ لاین گذرتی ہے مصور حالات شائع کرنا شروع کئے ہین، اس قسم کی ایک جغرافی تاریخی کتاب پر کچھ دن پہلے تنقید کی جاچکی ہے، اس رسالہ میں کانگڑہ کی فرحت بخش تاریخی وادی اور کوہستانی علاقہ کا حال لکھا گیا ہے، کانگڑہ کا علاقہ جمالیاتی حیثیت سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، فن نقاشی میں اسکی اپنی مستقل شاہراہ ہے، رسالہ دلچسپ، پر از معلومات، اور دلکش تصاویر سے بھرا ہوا ہے، ریل کی سیاحت کے لحاظ سے بھی یہاں کا سفر اپنے اندر بہت کچھ کشش رکھتا ہے،

الہدایات المرضیہ فی ترجمۃ العربیہ، مولفہ مولوی انجب علی صاحب، پتہ کتبخانہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

رفتار زمانہ کا یہ خوش آیند منظر ہے کہ ہمارے دور دراز کے گوشہ نشین علما کو بھی اس بات کا احساس ہوگیا ہے کہ موجودہ عام نصاب طلبہ میں ادبی لیاقت و ذوق پیدا کرنے میں بے اثر ہے، زیر تنقید رسالہ اسی کمی کی تلافی کے لئے لکھا گیا ہے، اور اسمیں مفردات سے مرکبات تک تدریجی ترقی کی گئی ہے، مگر یہ رسالہ صرف ان لوگوں کیلئے مفید ہو سکتا ہے جن کو قاموس یاد ہو، بہتر ہوتا کہ لائق مؤلف ہر مشق کی ابتدا میں عربی الفاظ بھی دیدیتے تاکہ صرف و نحو کے قواعد کے ساتھ الفاظ بھی معلوم ہو سکتے،

"ن"

جلد بست و چہارم ۲۴ | ماہ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۹ء | عدد ۵

مضامین